BAUL(N) - 120

بی۔اے۔اُردو

سمسٹراوّل

BACHELOR OF ARTS (URDU)

FIRST SEMESTER

MINOR

اصنافِ ادب

ASNAF E ADAB

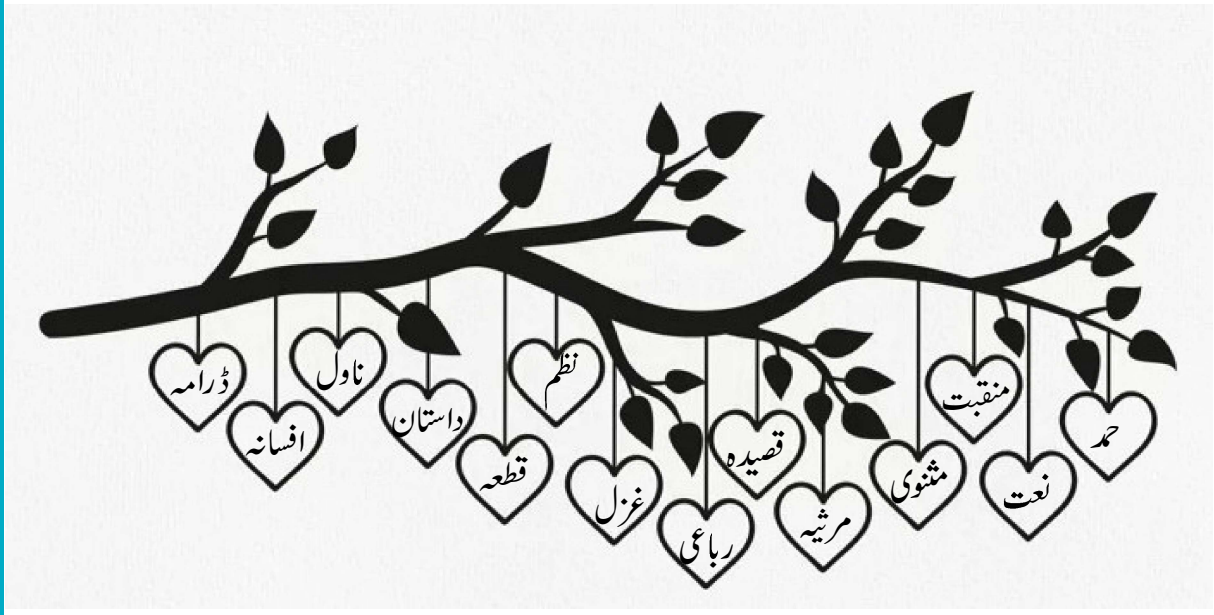

اُتراکھنڈاوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی (نینی تال)

SCHOOL OF HUMANITIES

UTTARAKHAND OPEN UNIVERSITY

HALDWANI (NAINITAL) - 263139

بی.اے.اُردو

BACHELOR OF ARTS (URDU)

سالِ اوّل

FIRST YEAR

سمسٹر اوّل

FIRST SEMESTER

بی.اے. یو.ایل.(این.) - ۱۲۰ - اصنافِ ادب

BAUL(N) - 120 - ASNAF E ADAB

MINOR

اُترا کھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی-(نینی تال)

SCHOOL OF HUMANITIES

UTTARAKHAND OPEN UNIVERSITY

HALDWANI (NAINITAL) - 263139

سرپرستِ اعلیٰ:

پروفیسر او. پی.ایس.نیگی، وائس چانسلر، اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی۔

کمیٹی بورڈ آف اِسٹڈیز:

پروفیسر رینو پرکاش (ڈائریکٹر اسکول آف ہیومنٹیز (SOH) اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی (UOU)، ہلدوانی۔

پروفیسر توقیر احمد خاں، ریٹائرڈ پروفیسر شعبۂ اردو، دہلی یونی ورسٹی، دہلی۔

پروفیسر سید محمد ارشد رضوی، گورنمنٹ رضا پی.جی.کالج، رام پور۔

شہپر شریف، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ اُردو، اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی۔

محمد افضل حسین، اسسٹنٹ پروفیسر و کورس کوآرڈِنیٹر شعبۂ اردو، اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی۔

رجسٹرار:

پروفیسر پی.ڈی. پنت، اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی۔

کورس کوآرڈِنیٹر وایڈیٹر:

محمد افضل حسین (اُستاد بریلوی)

صدرِ شعبۂ اردو، اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی

C جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

اس کتاب کا کوئی بھی حصّہ کسی بھی شکل میں یونی ورسٹی کی تحریری اجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔ یہ کتاب ''اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی'' کے بی.اے.اُردو سالِ اوّل، سمسٹر اوّل، اصنافِ ادب کے نصاب کا جزو ہے۔ مزید معلومات یا کسی بھی وضاحت کے لئے یونی ورسٹی حکّام یا صدرِ شعبۂ اردو سے یونی ورسٹی کے حسبِ ذیل پتے پر رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے۔

DEPARTMENT OF URDU

UTTARAKHAND OPEN UNIVERSITY

UNIVERSITY ROAD, BEHIND TRANSPORT NAGAR (Teenpani Bypas)

HALDWANI-263139 Phone:05946-261122

پیش لفظ

اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی کا قیام اُتراکھنڈ قانون ساز اسمبلی کے ایک ایکٹ کے تحت ۳۱/اکتوبر ۲۰۰۵ء کو عمل میں آیا جس کا مقصد آبادی کے بڑے حصے کی تعلیمی ضرورتوں کی تکمیل اور فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے اُن لوگوں تک تعلیم پہنچانا ہے جو کسی مصروفیت یا مجبوری کے سبب کالجز یا یونی ورسٹیز تک نہیں پہنچ پاتے ہیں۔ یونی ورسٹی کے تعلیمی پروگرام ''بیچلر آف آرٹ'' کے تحت ''بی.اے. اردو'' بھی شامل ہے۔ یہ کتاب بی.اے. اردو سالِ اوّل، سمسٹر اوّل، اصنافِ ادب کے نصاب میں شامل ہے جس کا نام ''بی.اے. یو.ایل (این.)-۱۲۰، اصنافِ ادب ہے۔ یہ کتاب ۱۲/اکائیوں پر مشتمل ہے جو الگ الگ موضوعات پر مختلف اسباق ہیں۔

عزیز طلبا و طالبات!

فاصلاتی طریقۂ تعلیم کی کتابوں کو {خودتدریسی مواد، SLM}(Self Learning Materials) کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ طالبِ علم کو یہ مواد خود ہی پڑھنا ہوتا ہے۔ روایتی درس گاہوں کے خلاف اِسے پڑھانے کے لئے آپ کے سامنے استاد موجود نہیں رہے گا بلکہ آپ یہ مواد خود ہی پڑھیں گے اور سمجھیں گے۔ اِس صورتِ حال کے تحت اسباق کو اِس طرح تیار کیا گیا ہے کہ آپ کو کلاس میں موجودگی کا احساس ہو اور کلاس میں نہ ہونے کی کمی کافی حد تک دُور ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر اکائی کا آغاز اغراض و مقاصد سے کیا گیا ہے تاکہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ اُس اکائی کو پڑھنے کا مقصد کیا ہے؟ اُس کے بعد تمہید دی گئی ہے جس میں سبق کو مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اکائی کے درمیان ''اپنے مطالعے کی جانچ'' کے تحت کچھ سوالات بھی دِیے گئے ہیں تاکہ آپ نے جو کچھ پڑھا ہے اُسے کس حد تک ذہن نشین کیا ہے؟ اِس بات کا اندازہ ہو سکے۔ اُن سوالات کے جوابات آخر میں دِیے گئے ہیں لیکن آپ کو چاہیے کہ پہلے خود اُن سوالات کے جوابات دیں پھر آخر میں دِیے گئے جوابات سے اپنے جوابات ملالیں تاکہ آپ کو اپنی صلاحیت کا اندازہ ہو اور آپ کی ذہنی ورزش بھی ہو جائے۔ امتحان میں آپ سے جس طرح کے سوالات پوچھے جائیں گے اُس کے نمونے بھی دِیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ہر اکائی کے آخر میں مشکل الفاظ کے معانی اور حوالہ جاتی کتب کے نام بھی دِیے گئے ہیں تاکہ آپ اُن کے مطالعے سے اپنی معلومات میں مزید اضافہ کر سکیں۔

ہم آپ کی کامیابی کے لئے دعائیں اور نیک خواہشات پیش کرتے ہیں۔

ایڈیٹر

بی.اے.اُردو

(B.A.URDU)

سالِ اوّل

FIRST YEAR

سمسٹر اوّل

FIRST SEMESTER

بی.اے. یو.ایل.(این.) - ۱۲۰ - اصنافِ ادب

BAUL(N) - 120, ASNAF E ADAB

اکائی نمبر مضمون	مضمون نگار	صفحہ
بلاک نمبر01: اصنافِ شاعری		**05**
اکائی 01 حمد و نعت و منقبت	محمد افضل حسین	06
اکائی 02 مثنوی	محمد افضل حسین	24
اکائی 03 مرثیہ	محمد افضل حسین	31
اکائی 04 قصیدہ	محمد افضل حسین	37
اکائی 05 رباعی	محمد افضل حسین	43
اکائی 06 غزل	محمد افضل حسین	50
اکائی 07 نظم	محمد افضل حسین	58
اکائی 08 قطعہ	محمد افضل حسین	66
بلاک نمبر02: فکشن		**71**
اکائی 09 داستان	محمد افضل حسین	72
اکائی10 ناول	محمد افضل حسین	80
اکائی11 افسانہ	محمد افضل حسین	87
اکائی12 ڈرامے	محمد افضل حسین	95

بلاک نمبر 01

اکائی 01 حمد و نعت و منقبت
اکائی 02 مثنوی
اکائی 03 مرثیہ
اکائی 04 قصیدہ
اکائی 05 رباعی
اکائی 06 غزل
اکائی 07 نظم
اکائی 08 قطعہ

اکائی 01 : حمد ونعت ومنقبت

ساخت

01.01 : اغراض ومقاصد

01.02 : تمہید

01.03 : حمد کی تعریف

01.04 : انتخابِ حمد

01.05 : نعت کی تعریف

01.06 : انتخابِ نعت

01.07 : منقبت کی تعریف

01.08 : انتخابِ منقبت

01.09 : نمائندہ نعت گوشعرا کے نعتیہ دیوان

01.10 : خلاصہ

01.11 : فرہنگ

01.12 : نمونہ امتحانی سوالات

01.13 : حوالہ جاتی کتب

01.14 : اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

01.01 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں حمد ونعت اور منقبت کی تعریفات اوران کی بنیادی خصوصیات پر مکمل روشنی ڈالی جائے گی۔ زیرِ نظر اکائی کے مطالعے کے بعد آپ حمد ونعت اور منقبتسے کافی حدتک واقف ہو جائیں گے جس سے آپ کو عام زندگی میں بھی حمد ونعت اور منقبت کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ جب حمد ونعت اور منقبت سمجھنے لگیں گے تو حمد ونعت اور منقبت سے آپ کی دل چسپی میں اضافہ ہوگا۔ پھر آپ بھی مذکورہ اصناف میں سے کسی صنف میں لکھنے کی کوشش کریں گے۔

01.02 تمہید

حمد ونعت اور منقبت اردو شاعری کی بہت ہی اہم مشہور ومعروف اصنافِ سخن ہیں۔ اردو کی مذہبی شاعری میں جو مقبولیت حمد ونعت اور منقبت کو حاصل ہوئی ہے وہ اپنے آپ میں خاصے کی چیز ہے۔ حمد ونعت اور منقبت لکھنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کہ دوسرے دین و مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن کے دواوین میں آپ کو حمد ونعت اور مناقبِ بزرگان دین ضرور مل جائیں گی۔ نعت گو شعرا کی ایک طویل فہرست ہے۔ نعت ہر زبان میں لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ عربی زبان کے دواوین میں حمد ونعت اور منقبت کے بے شمار اشعار مل جائیں گے۔ زیرِ نظر اکائی میں اردو زبان وادب کی بحث ہے جس میں وافر مقدار میں حمد ونعت اور منقبت کا مذہبی سرمایہ موجود ہے۔ اگر خالص نعت گو شعرا کی بات کی جائے تو محسنؔ کاکوروی، امیرؔ مینائی، علامہ کفایت علی کافیؔ رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ، مفتیِ اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ، مفتی اختر رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ، علامہ تحسین رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا جمیل الرحمٰن خاں رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ جن کے دواوین میں گل ہائے عقیدت کی شکل میں حمد ونعت ومنقبت موجود ہیں۔ اب یکے بعد دیگرے حمد ونعت ومنقبت کی تعریفات اور ان کی مثالیں پیش کی جارہی ہیں۔

01.03 حمد کی تعریف

آیئے سب سے پہلے حمد کی تعریف کرتے ہیں:

حمد: شاعری کی اصطلاح میں وہ منظوم کلام جس میں اللہ پاک کی عظمت وبزرگی بیان کی جائے۔ حمد کی کوئی حد نہیں ہے۔ تعریف کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ خدا کی حمد وثنا میں اپنے دلی تاثرات کا جتنا زیادہ چاہے مہذب لہجے میں اظہار کرسکتا ہے۔ البتہ حمد میں ایک امر کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ خداوندِ قدوس کی شان میں کوئی ایسی بات یا لفظ نہ کہا جائے جس کی وجہ اُس کی شان میں توہین یا تنقیص کا پہلو شامل ہوجائے۔

01.04 انتخابِ حمد

﴿۱﴾

﴿۱﴾ وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

﴿۲﴾ تمہی حاکمِ برایا، تمہی قاسمِ عطایا
تمہی دافعِ بلایا، تمہی شافعِ خطایا
کوئی تم سا کون آیا

﴿۳﴾ وہ کنواری پاک مریم وہ نفخُ فِیہ کا دم
ہے عجب نشانِ اعظم مگر آمنہ کا جایا
وہی سب سے افضل آیا

﴿۴﴾ یہی بولے سِدرہ والے، چمنِ جہاں کے تھالے
سبھی میں نے چھان ڈالے، ترے پایے کا نہ پایا
تجھے یک نے یک بنایا

﴿۵﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ یہ ملا ہے تم کو مَنصَب
جو گدا بنا چکے اب اُٹھو وقتِ بخشش آیا
کرو قسمتِ عطایا

﴿۶﴾ ارے اے خدا کے بندو! کوئی میرے دل کو ڈھونڈو
مرے پاس تھا ابھی تو ابھی کیا ہوا خدایا
نہ کوئی گیا نہ آیا

﴿۷﴾ ہمیں اے رضؔا ترے دل کا پتا چلا بہ مشکل
درِ روضہ کے مقابل وہ ہمیں نظر تو آیا
یہ نہ پوچھ کیسا پایا

شاعر: امام احمد رضا خاں

﴿۲﴾

﴿۱﴾ دردِ دِل کر مجھے عطا یارب
دے مرے دَرد کی دَوا یارب

﴿۲﴾ لاج رکھ لے گناہ گاروں کی
نام رحمٰن ہے ترا یارب

﴿۳﴾ عیب میرے نہ کھول محشر میں
نام ستّار ہے ترا یارب

﴿۴﴾ بے سبب بخش دے نہ پوچھ عمل
نام غفّار ہے ترا یارب

﴿۵﴾ اَہلِ سنت کی ہر جماعت پر
ہر جگہ ہو تری عطا یارب

﴿۶﴾ دشمنوں کے لئے ہدایت کی
تجھ سے کرتا ہوں اِلتجا یارب

﴿۷﴾ تو حسنؔ کو اُٹھا حسن کر کے
ہو مع الخیر خاتمہ یارب

شاعر: مولانا حسن رضا خاں

﴿۳﴾

﴿۱﴾ حمد ہے اُس ذات کو جس نے مسلماں کردیا
عشقِ سلطانِ جہاں سینہ میں پنہاں کردیا

﴿۲﴾ اے شہِ لولاک تیری آفرینش کے لئے
حق نے لفظِ کُن سے پیدا ساز وساماں کردیا

﴿۳﴾ ہوگئی کافور ظلمت ، دِل منور ہوگئے
جس طرف بھی اُس نے اپنا رُوے تاباں کردیا

﴿۴﴾ نعمتِ کونین دے کر اُن کے دَستِ پاک میں
دونوں عالم کو خدا نے اُن کا مہماں کردیا

﴿۵﴾ دُور ہی سے سبز گنبد کی جھلک کو دیکھ کر
عاشقوں نے ٹکڑے ٹکڑے جیب و داماں کردیا

﴿۶﴾ اُس عرب کے چاند کا جلوہ مجھے دَرکار ہے
جس نے ہر ذَرّے کو اپنے ماہِ تاباں کردیا

﴿۷﴾ ہے جمیلؔ قادری پر فضلِ اللہ و رسول
تیرا مرشد حضرتِ اَحمد رضا خاں کردیا

شاعر: مولانا جمیل الرحمٰن خاں

﴿۴﴾

﴿۱﴾ درِ مصطفیٰ پر بُلا میرے مولیٰ!
وہ روضہ سہانا دِکھا میرے مولیٰ!

﴿۲﴾ عجب کیفیت ہے دلِ ناتواں کی
ملے درد کی اب دَوا میرے مولیٰ!

﴿۳﴾ زمانے میں رُسوا ہوئی ہے یہ مِلّت
اِسے پھر سے اونچا اُٹھا میرے مولیٰ!

﴿۴﴾ بَلائیں جو پیہم چلی آ رہی ہیں
محمد کے صدقے ہٹا میرے مولیٰ!

﴿۵﴾ ستم کر رہے ہیں جو ظالم ستم گر
اُنہیں خاک میں تُو مِلا میرے مولیٰ!

﴿۶﴾ مجھے بھی بزرگوں کا صدقہ عطا ہو
ہے میری یہی التجا میرے مولیٰ!

﴿۷﴾ کبھی تیرے رستے سے بھٹکے نہ استاؔد
اِسے راہِ حق پر چلا میرے مولیٰ!

شاعر: (استاؔد بریلوی)

﴿۵﴾

﴿۱﴾ عمر بھر کرتا رہوں تیری اطاعت یا رب!
اور کچھ بھی نہیں دل میں مرے حسرت یا رب!

﴿۲﴾ اپنے محبوب کی اُمّت میں جگہ دی تُو نے
اور بخشی مجھے ایمان کی دولت یا رب!

﴿۳﴾ تُو جو چاہے تو غلاموں کو شہنشاہی دے
ذَرّے ذَرّے پہ عیاں ہے تری قدرت یارب!

﴿۴﴾ دینِ اسلام کی خدمت کا سلیقہ دے دے
بخش دے تُو مجھے ایماں کی حرارت یا رب!

﴿۵﴾ تیرے احکام کی تعمیل مجھے کرنی ہے
تُو بنا دے مجھے پابندِ شریعت یا رب!

﴿۶﴾ تیرا دَر چھوڑ کے میں اور کہاں جاؤں گا
تُو ہی کرتا ہے نکمّوں کی کفالت یا رب!

﴿۷﴾ ہے خطاکار ، گنہ گار ، سیہ کار سحؔر
بخش دینا اِسے کل روزِ قیامت یا رب!

شاعر: سحؔر بلرام پوری

01.05 نعت کی تعریف

نعت: اصطلاحِ شاعری میں وہ منظوم کلام جس میں اللہ کے حبیب ﷺ کی تعریف وتوصیف کی جائے۔نعت گوئی ایک مشکل فن ہے۔یہ پل صراط پار کرنے سے بھی مشکل ترین ہے۔علمائے نقد ونظر اور صاحبانِ علم وفن کا اتفاق ہے کہ نعت کی راہ شاعری کی سخت ترین راہوں میں سے ایک ہے اور تمام اصنافِ سخن سے مشکل ہے۔

01.06 انتخابِ نعت

﴿۱﴾

﴿۱﴾ لطف اُن کا عام ہو ہی جائے گا
شاد ہر ناکام ہو ہی جائے گا

﴿۲﴾ جان دے دو وعدۂ دیدار پر
نقد اپنا دام ہو ہی جائے گا

﴿۳﴾ یاد رہ جائیں گی یہ بے باکیاں
نفس تو تو رام ہو ہی جائے گا

﴿۴﴾ بے نشانوں کا نشاں مِٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

﴿۵﴾ سائلو! دامن سخی کا تھام لو
کچھ نہ کچھ انعام ہو ہی جائے گا

﴿۶﴾ غم تو اُن کو بھول کر لپٹا ہے یوں
جیسے اپنا کام ہو ہی جائے گا

﴿۷﴾ اے رضؔا ہر کام کا اِک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

شاعر: امام احمد رضا خاں

﴿۲﴾

﴿۱﴾ حبیبِ خدا کا نظارا کروں میں
دل و جان اُن پر نثارا کروں میں

﴿۲﴾ خدارا اب آؤ کہ دَم ہے لبوں پر
دَمِ واپسیں تو نظارا کروں میں

﴿۳﴾ ترے نام پر سر کو قربان کرکے
ترے سر سے صدقہ اُتارا کروں میں

﴿۴﴾ یہ اِک جان کیا ہے اگر ہوں کروڑوں
ترے نام پر سب کو وارا کروں میں

﴿۵﴾ مرا دِین و اِیماں فرشتے جو پوچھیں
تمہاری ہی جانب اِشارہ کروں میں

﴿۶﴾ خدا ایک پر ہو تو اِک پر محمد
اگر قلب اپنا دو پارا کروں میں

﴿۷﴾ خدا خیر سے لائے وہ دِن بھی نوریؔ
مدینے کی گلیاں بہارا کروں میں

شاعر: مولانا مصطفیٰ رضا خاں

﴿۳﴾

﴿۱﴾ ایسا تجھے خالق نے طرح دار بنایا
یوسف کو ترا طالبِ دیدار بنایا

﴿۲﴾ اے نظمِ رسالت کے چمکتے ہوئے مقطع
تو نے ہی اِسے مطلعِ اَنوار بنایا

﴿۳﴾ کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر
کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا

﴿۴﴾ کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے
محبوب کیا ، مالک و مختار بنایا

﴿۵﴾ عالم کے سلاطین بھکاری ہیں بھکاری
سرکار بنایا ، تمہیں سرکار بنایا

﴿۶﴾ بے یار و مددگار جنہیں کوئی نہ پوچھے
ایسوں کا تجھے یار و مددگار بنایا

﴿۷﴾ ان کے لبِ رنگیں کی نچھاور تھی وہ جس نے
پتھر میں حسنؔ لعلِ پُراَنوار بنایا

شاعر: مولانا حسن رضا خاں

﴿۴﴾

﴿۱﴾ مِرے دل سے مِٹے دنیا کی چاہت یارسول اللہ
رہے سینے میں ہر دَم تیری اُلفت یارسول اللہ

﴿۲﴾ اگر آنکھوں کو ہو تیری زیارت یارسول اللہ
ملے دارَین میں مجھ کو سعادت یارسول اللہ

﴿۳﴾ بڑی اچھّی ہے اِس عالَم کی قسمت یارسول اللہ
ہوئی جو آپ کی اِس میں وِلادت یارسول اللہ

﴿۴﴾ زَبُوں حالی بہردَم قوم کی بڑھتی ہی جاتی ہے
ہو حالِ زار پر چشمِ عنایت یارسول اللہ

﴿۵﴾ گنہ گاری فزوں تر ہوگئی ہے اب کرم فرمائیں
گناہوں کی نہیں جاتی ہے عادت یارسول اللہ

﴿۶﴾ خدارا موت آجائے تری دہلیز پر مجھ کو
ہو مجھ عاصی کے دل کی پوری حسرت یارسول اللہ

﴿۷﴾ کہے استاؔد ہم اہلِ سُنَن ، میدانِ محشر سے
جِناں میں جائیں گے تیری بدولت یارسول اللہ

شاعر: استاؔد بریلوی

﴿۵﴾

﴿۱﴾ غم نہیں آپ کے ہوتے ہوئے اے ماہِ عرب!
تار دل کا ہے جُڑا آپ سے اے ماہِ عرب!

﴿۲﴾ آپ کے نام کی تسبیح پڑھی صبح و شام
کام بگڑے ہوئے بنتے گئے اے ماہِ عرب!

﴿۳﴾ دلِ بے تاب سنبھلتا ہی نہیں ہے مجھ سے
حاضری کی کوئی صورت بنے اے ماہِ عرب!

﴿۴﴾ خالی ہاتھ آؤں پلٹ کر یہ کہاں ممکن ہے
جھولیاں سب کی بھریں آپ نے اے ماہِ عرب!

﴿۵﴾ تپشِ گرمیِ محشر نہ سہی جائے گی
اپنے قدموں تلے رکھنا مجھے اے ماہِ عرب!

﴿۶﴾ شافعِ روزِ جزا آپ بنائے گئے ہیں
مجھے پروانۂ بخشش مِلے اے ماہِ عرب!

﴿۷﴾ ہوں جو مقبول تو ہو جائے سحؔر کی معراج
پیش ہیں پھول کچھ اشعار کے اے ماہِ عرب!

شاعر: (سحؔر بلرام پوری)

01.07 منقبت کی تعریف

منقبت: اصطلاحِ شاعری میں وہ منظوم کلام جس میں انبیاے کرام علیہم السلام، صحابہ کرام، اولیاے کرام اور بزرگانِ دین وغیرہ کی تعریف وتوصیف کی جائے۔

01.08 انتخابِ منقبت

﴿۱﴾

﴿۱﴾ واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اُونچے اُونچوں کے سَروں سے قدَم اعلیٰ تیرا

﴿۲﴾ سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

﴿۳﴾ کیا دَبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا
شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کُتّا تیرا

﴿۴﴾ تُو حُسینی حَسَنی کیوں نہ محی الدّیں ہو
اے خِضَر! مجمعِ بَحرَیْن ہے چشمہ تیرا

﴿۵﴾ اِبنِ زَہرا کو مبارک ہو عَروسِ قدرت
قادِری پائیں تصدّق مرے دُولہا تیرا

﴿۶﴾ بد سہی ، چور سہی ، مجرم و ناکارہ سہی
اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

﴿۷﴾ فخرِ آقا میں رضؔا اور بھی اِک نظمِ رفیع
چل لکھا لائیں ثنا خوانوں میں چہرا تیرا

شاعر: امام احمد رضا خاں

﴿۲﴾

﴿۱﴾ کھلا میرے دِل کی کلی غوثِ اعظم
مٹا قلب کی بے کلی غوثِ اعظم

﴿۲﴾ مرے چاند میں صدقے آجا اِدھر بھی
چمک اُٹھے دِل کی کلی غوثِ اعظم

﴿۳﴾ ترے رب نے مالک کیا ترے جد کو
ترے گھر سے دنیا پلی غوثِ اعظم

﴿۴﴾ ترا مرتبہ اعلیٰ کیوں ہو نہ مولیٰ
تو ہے ابنِ مولیٰ علی غوثِ اعظم

﴿۵﴾ قدم گردنِ اولیا پر ہے تیرا
ہے تو رب کا اَیسا وَلی غوثِ اعظم

﴿۶﴾ جو ڈوبی تھی کشتی وہ دَم میں نکالی
تجھے ایسی قدرت ملی غوثِ اعظم

﴿۷﴾ فدا تم پہ ہو جائے نوریؔ مضطر
یہ ہے اس کی خواہش دِلی غوثِ اعظم

شاعر: مولانا مصطفیٰ رضا خاں

﴿۳﴾

﴿۱﴾ خواجۂ ہند وہ دَربار ہے اَعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا

﴿۲﴾ گلشنِ ہند ہے شاداب ، کلیجے ٹھنڈے
واہ اے اَبر کرم زور برسنا تیرا

﴿۳﴾ کیا مہک ہے کہ مُعَطَّر ہے دماغِ عالم
تختۂ گلشنِ فردوس ہے روضہ تیرا

﴿۴﴾ پھر مجھے اپنا درِ پاک دکھا دے پیارے
آنکھیں پُر نور ہوں پھر دیکھ کے جلوہ تیرا

﴿۵﴾ تجھ کو بغداد سے حاصل ہوئی وہ شانِ رَفیع
دَنگ رہ جاتے ہیں سب دیکھ کے رُتبہ تیرا

﴿۶﴾ جب سے تو نے قدمِ غوث لیا ہے سر پر
اَولیا سر پہ قدم لیتے ہیں شاہا تیرا

﴿۷﴾ محیِ دیں غوث ہیں اور خواجہ معین الدیں ہے
اے حسنؔ کیوں نہ ہو محفوظ عقیدہ تیرا

شاعر: مولانا حسن رضا خاں

﴿۴﴾

﴿۱﴾ خدا کے فضل سے ہم پر ہے سایہ غوثِ اعظم کا
ہمیں دونوں جہاں میں ہے سہارا غوثِ اعظم کا

﴿۲﴾ مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ کہہ کر تسلی دی غلاموں کو
قیامت تک رہے بے خوف بندہ غوثِ اعظم کا

﴿۳﴾ ہماری لاج کس کے ہاتھ ہے؟ بغداد والے کے
مصیبت ٹال دینا کام کس کا؟ غوثِ اعظم کا

﴿۴﴾ عزیزو کر چکو تیار جب میرے جنازے کو
تو لکھ دینا کفن پر نامِ والا غوثِ اعظم کا

﴿۵﴾ جنابِ غوث دولہا اور براتی اَولیا ہوں گے
مزہ دِکھلائے گا محشر میں سہرا غوثِ اعظم کا

﴿۶﴾ رَسُوْلُ اللہ کا دشمن ہے غوثِ پاک کا دشمن
رَسُوْلُ اللہ کا پیارا ہے پیارا غوثِ اعظم کا

﴿۷﴾ جمیلؔ قادری سو جاں سے ہو قربان مرشد پر
بنایا جس نے تجھ جیسے کو بندہ غوثِ اعظم کا

شاعر: مولانا جمیل الرحمٰن خاں

﴿۵﴾

﴿۱﴾ کیا کیا بیاں کروں میں کرامت حُسین کی
دنیا میں آج بھی ہے قیادت حُسین کی

﴿۲﴾ سینے میں بس گئی ہے محبت حُسین کی
پروانۂ نجات ہے اُلفت حُسین کی

﴿۳﴾ آرام کر رہے ہیں وہ سینے میں ہر گھڑی
دل میرا کر رہا ہے زیارت حُسین کی

﴿۴﴾ اللہ رے یہ جذبۂ ایثار و بندگی
جاتی ہے کربلا کو جماعت حُسین کی

﴿۵﴾ سر کو کٹا کے دینِ نبی کو بچا لیا
درسِ وفا ہوئی ہے شہادت حُسین کی

﴿۶﴾ اُن کا عمل تو آج بھی نقشِ حیات ہے
ہے یاد مومنوں کو خطابت حُسین کی

﴿۷﴾ استاؔد اپنے خون سے سینچا ہے دین کو
زندہ ہے دین آج بدولت حُسین کی

شاعر: استاؔد بریلوی

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱﴾ حمد کسے کہتے ہیں؟

﴿۲﴾ نعت کسے کہتے ہیں؟

﴿۳﴾ منقبت کسے کہتے ہیں؟

01.09 نمائندہ نعت گو شعرا کے نعتیہ دیوان

﴿۱﴾ محسنؔ کاکوروی	(کلیاتِ نعت محسنؔ)
﴿۲﴾ امیرؔ مینائی	(محامدِ خاتم النبیّن)
﴿۳﴾ علامہ کفایت علی کافیؔ رحمۃ اللہ علیہ	(نسیمِ جنت مع قصائدِ کافیؔ)
﴿۴﴾ امام احمد رضا خان فاضلِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ	(حدائقِ بخشش)
﴿۵﴾ مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ	(ذوقِ نعت)
﴿۶﴾ مولانا حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ	(بیاضِ پاک)
﴿۷﴾ مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ	(سامانِ بخشش)
﴿۸﴾ علامہ تحسین رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ	(گل ہائے بخشش)
﴿۹﴾ مفتی اختر رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ	(سفینۂ بخشش)
﴿۱۰﴾ مولانا جمیل الرحمٰن خاں رحمۃ اللہ علیہ	(قبالۂ بخشش)
﴿۱۱﴾ مفتی احمد یار خاں نعیمی	(دیوانِ سالکؔ)
﴿۱۲﴾ مولانا الیاس قادری عطاری	(وسائلِ بخشش، وسائلِ فردوس)

01.10 خلاصہ

اس اکائی میں حمد و نعت اور منقبت کی تعریفات پیش کی گئی ہیں اور اس کے ساتھ ہی انتخابِ حمد کے عنوان سے پانچ حمدیہ کلام درج کیے گئے ہیں۔ پہلی حمد امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان ''حدائقِ بخشش'' سے لی گئی ہے۔ دوسری حمد مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' سے اخذ کی گئی ہے، تیسری حمد مولانا جمیل الرحمٰن خاں رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان ''قبالۂ بخشش'' سے لی گئی ہے جب کہ چوتھی اور پانچویں حمد اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے اساتذہ (استادؔ بریلوی اور سحرؔ بلرام پوری) کی ہیں۔

انتخابِ نعت کے عنوان سے پانچ نعتیں پیش کی گئی ہیں۔ پہلی نعت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان ''حدائقِ بخشش'' سے لی گئی ہے۔ دوسری نعت مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان ''سامانِ بخشش'' سے اخذ کی گئی ہے۔ تیسری نعت مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' سے اخذ کی گئی ہے جب کہ چوتھی اور پانچویں نعت اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے اساتذہ (استادؔ بریلوی اور سحرؔ بلرام پوری) کی ہیں۔

مزید انتخابِ منقبت کے عنوان سے چار منقبتیں پیش کی گئی ہیں۔ پہلی منقبت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلی رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان ''حدائقِ بخشش'' سے لی گئی ہے۔ دوسری منقبت مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان ''سامانِ بخشش'' سے اخذ کی گئی ہے۔ تیسری منقبت مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان ''ذوقِ نعت'' سے لی گئی ہے، چوتھی منقبت مولانا جمیل الرحمٰن خاں رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ دیوان ''قبالۂ بخشش'' سے اخذ کی گئی ہے جب کہ پانچویں منقبت اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے استاد (استاؔد بریلوی) کی ہے۔

01.11 فرہنگ

اہلِ سنن : اہلِ سنت والجماعت

بہارنا : جھاڑو دینا، صفائی کرنا

تسلی دینا : ڈھارس بندھانا، غم ہلکا کرنے کی کوشش کرنا

تنقیص : عیب پیدا کرنا

توہین : توہین کرنا، اہانت کا پہلو شامل ہونا

حَسَن : نام (مولانا حسن رضا خاں)، اچھا، بہتر

حمد : اصطلاحِ شاعری میں خدائے پاک کی منظوم تعریف

دل کی کلی کھلنا : دل کا خوشیوں سے پھولے نہ سمانا

دَم : پل، لمحہ

دَمِ واپسیں : آخری وقت، نزع کے وقت

دنگ رہ جانا : متحیر ہونا، حیرت میں پڑ جانا، متعجب ہونا

دوپارہ : دوٹکڑے

رُوے تاباں : نورانی چہرہ (حضور کا روشن چہرہ)

زبوں حالی : خراب حالت

زیارت : دیدار کرنا

سائل : بھیک مانگنے والا

سدرہ والے : حضرت جبریل علیہ السلام

شہِ لولاک : حضور پاک ﷺ

ظلمت کافور ہونا : اندھیرا دور ہونا، سیاہی مٹ جانا

عطا : بخشش، مہربانی

عیب : کمی، نقص

غفار : بخشنے والا، اللہ پاک کا نام

فزوں تر : بہت زیادہ

گل ہائے عقیدت : عقیدت کے پھول

عقیدت : بخشش، مہربانی

لطف

محی الدین : حضور غوث پاک کا لقب (دین کو زندہ کرنے والا)

مع الخیر : بھلائی کے ساتھ، خاتمہ ایمان پر ہونا

معین الدین : خواجہ غریب نواز کا لقب (دین کا مددگار)

منقبت : اصطلاحِ شاعری میں بزرگوں کی منظوم تعریف (شرعی حدود کے اندر)

نعت : اصطلاحِ شاعری میں حضور پاک ﷺ کی منظوم تعریف و توصیف (شرعی حدود کے اندر)

وافر : اچھی خاصی مقدار

واقف : جاننے والا، آگاہ

ولادت : پیدائش

ہدایت : رہ نمائی، سیدھا راستہ

یکے بعد دیگرے : ایک کے بعد دوسرا

01.12 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰۔۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : حمد کی تعریف قلم بند کیجیے؟

سوال نمبر۲ : منقبت کی سادہ وسلیس تعریف رقم کیجیے؟

سوال نمبر۳ : کتاب میں شامل کسی حمد،نعت یا منقبت کے چار اشعار تحریر کریں؟

سوال نمبر۴ : کتاب میں مذکور تین شعرا کے نام اور ان کے دیوان کے نام تحریر کیجیے؟

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰۔۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : نعتِ پاک کی مدلل تعریف سپردِ قرطاس کیجیے؟

سوال نمبر۲ : اکائی میں شامل کوئی حمد،نعت یا منقبت مکمل تحریر کریں؟

سوال نمبر۳ : اکائی میں مذکور کسی بھی شاعر پر اپنی معلومات سپردِ قرطاس کیجیے؟

01.13 حوالہ جاتی کتب

۱۔ نعتیہ روایات کا عروج وارتقا از ڈاکٹر سراج احمد قادری

۲۔ فنِ شاعری اور حسّان الہند از علامہ عبدالستار ہمدانی

۳۔ حدائقِ بخشش از امام احمد رضا خان فاضلِ بریلی

۴۔ سامانِ بخشش از مولانا مصطفیٰ رضا خاں

۵۔ قبالۂ بخشش از مولانا جمیل الرحمٰن خاں

۵۔ ذَوقِ نعت از مولانا حسن رضا خاں

01.14 اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

﴿۱﴾ اصطلاحِ شاعری میں وہ منظوم کلام جس میں اللہ پاک کی عظمت و بزرگی بیان کی جائے۔

﴿۲﴾ اصطلاحِ شاعری میں وہ منظوم کلام جس میں اللہ کے حبیب ﷺ کی تعریف وتوصیف کی جائے۔

﴿۳﴾ اصطلاحِ شاعری میں وہ منظوم کلام جس میں انبیاے کرام علیہم السلام،صحابۂ کرام،اولیاے کرام اور بزرگانِ دین وغیرہ کی تعریف وتوصیف کی جائے۔

اکائی 02 : مثنوی

ساخت :

02.01 : اغراض ومقاصد
02.02 : تمہید
02.03 : مثنوی کی تعریف
02.04 : مثنوی کی اقسام
02.05 : مثنوی کے اجزاے ترکیبی
02.06 : نمائندہ مثنوی نگار اور اُن کی مثنویاں
02.07 : مثنوی سحر البیان (منتخب اشعار)
02.08 : مثنوی گلزارِ نسیم (منتخب اشعار)
02.09 : خلاصہ
02.10 : فرہنگ
02.11 : نمونہ امتحانی سوالات
02.12 : حوالہ جاتی کتب
02.13 : اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

02.01 اغراض ومقاصد

زیرِ نظر اکائی میں آپ مثنوی کی تعریف، اس کی اقسام اور اس کے اجزاے ترکیبی کے ساتھ ساتھ مثنوی کی مختصر تاریخ سے بھی واقف ہوں گے۔ آخر میں اکائی کا خلاصہ پیش کیا جائے گا۔ نمونہ امتحانی سوالات، فرہنگ اور معاون کتب سے بھی آگاہی حاصل کریں گے۔ اکائی کے مطالعے کے دوران جو سوالات دیے گئے ہیں ان کے جوابات آپ اکائی کے آخر میں ملاحظہ کریں گے۔

02.02 تمہید

اردو کی دیگر شعری اصناف جیسے غزل، مرثیہ، قصیدہ اور رباعی وغیرہ کی طرح مثنوی بھی شاعری کی بہت اہم اور مشہور صنفِ سخن ہے جس کو زمانۂ قدیم سے غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اس کو بیانیہ شاعری کے لئے سب سے اہم سمجھا گیا ہے کیوں کہ شاعر اپنے خیالات وجذبات کو اس میں تفصیل کے ساتھ بیان کرسکتا ہے۔ اس میں کسی کہانی یا قصے کو بیان کیا جاتا ہے مگر اس کے ساتھ شعرا نے اخلاق اور پندو نصیحت کے کام بھی اس صنف سے لئے ہیں۔ دوسری اصناف کی طرح اس کے بھی کچھ اجزا ہوتے ہیں جن کے ذریعے مثنوی نگار مثنوی تخلیق کرتا ہے۔

02.03 مثنوی کی تعریف

مثنوی عربی زبان کا لفظ ہے جو لفظ ''مثنیٰ'' سے بنا ہے مگر یہ عربوں کی ایجاد نہ ہو کر ایرانیوں کی اختراع ہے۔ یعنی یہ عربی شاعری کے بجائے فارسی شاعری سے اردو زبان میں آئی۔ عربی میں ''مثنیٰ'' کے معنی ''دو'' کے ہیں۔ یعنی اس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کا قافیہ دیگر اشعار کے قافیے سے مختلف ہوتا ہے اس لئے اسے مثنوی کا نام دیا گیا۔

اصطلاح میں ہیئت کے لحاظ سے مثنوی ایسی صنفِ سخن اور مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس میں ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں لیکن ہر شعر کے بعد قافیہ بدل جائے اور پوری مثنوی ایک ہی بحر میں ہو۔

02.04 مثنوی کی اقسام

موضوعاتی لحاظ سے مثنوی کو کئی خانوں میں رکھا جا سکتا ہے۔ اس طرح اس کی کئی قسمیں ہو جاتی ہیں۔ اس کے مضامین بے حد متنوّع ہیں۔ اس میں جس طرح کے جو مضمون چاہیں ادا کر سکتے ہیں۔ گوپی چند نارنگ نے موضوعاتی اعتبار سے اردو مثنویوں کی چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان کے مطابق:

﴿۱﴾ مذہبی مثنویاں:۔ مثلاً رامائن از جگن ناتھ خوشتر، مہابھارت از تو تا رام

﴿۲﴾ تاریخی مثنویاں:۔ مثلاً علی نامہ از نصرتی، فتح نامہ ٹیپو سلطان از حسن علی طرب

﴿۳﴾ معاشرتی مثنویاں:۔ مثلاً فائز اور شیر علی افسوس کی ہولی کی تعریف میں

﴿۴﴾ وہ مثنویاں جو ہندوستانی موسم کی عکاسی کرتی ہیں:۔ مثلاً سوداؔ کی مثنوی گرمی کے بیان میں، میرؔ کی مثنوی در مذمّتِ برشگال

﴿۵﴾ وہ مثنویاں جو حب الوطنی کے جذبات پر مبنی ہیں:۔'' مثلاً حضرت شاہ مراد کی مثنوی ''در بیانِ لاہور''

یا محمد بخش شہید کی مثنوی لکھنؤ کی تعریف میں وغیرہ

﴿۶﴾ ہندوستانی قصے کہانیوں سے ماخوذ مثنویاں:۔ جن کا پس منظر لوک کتھا، نیم تاریخی قصے اور پورا نک کتھائیں ہیں۔

02.05 مثنوی کے اجزاے ترکیبی

مثنوی کے اجزاے ترکیبی مندرجہ ذیل ہیں:-

﴿۱﴾ توحید ﴿۲﴾ مدحِ حاکم ﴿۳﴾ تعریفِ شعر و سخن ﴿۴﴾ سببِ تالیف ﴿۵﴾ اصل قصہ

﴿۱﴾ توحید:۔ اس میں حمد، نعت، منقبت اور مناجات وغیرہ کا بیان کیا جاتا ہے۔ حمد میں اللہ تعالیٰ کی تعریف، نعت میں حضور ﷺ کی تعریف، منقبت میں صحابۂ کرام کی تعریف و توصیف اور مناجات میں خدائے تعالیٰ سے التجا کی جاتی ہے۔

﴿۲﴾ مدحِ حاکم:۔ اس میں بادشاہِ وقت، اُمرا، رؤسا وغیرہ کی مدح بیان کی جاتی ہے۔

﴿۳﴾ تعریفِ شعر و سخن:۔ اس میں شاعر شعر و شاعری یا خامہ سرائی سے متعلق بیان کرتا ہے ساتھ میں اپنی بڑائی اور سخن فہمی کی بھی تعریف کرتا ہے۔

﴿۴﴾ سببِ تالیف:۔ اس میں قصے کو بیان کرنے کی اصل وجہ کا ذکر ہوتا ہے۔

﴿۵﴾ اصل قصہ:۔ مثنوی نگار، قصہ میں جس واقعے یا قصے کو پیش کرنا چاہتا ہے، اس کا بیان کرتا ہے۔

02.06 نمائندہ مثنوی نگار اور اُن کی مثنویاں

﴿۱﴾ نظامی بیدری (کدم راؤ پدم راؤ)

﴿۲﴾ ملا وجہی (قطب مشتری)

﴿۳﴾ ابنِ نشاطی (پھول بن)

﴿۴﴾ افضل جھنجھانوی (بکٹ کہانی)

﴿۵﴾ میر حسن (سحر البیان)

﴿۶﴾ دیا شنکر نسیم (گلزارِ نسیم)

﴿۷﴾ مرزا شوق لکھنوی (زہرِ عشق)

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱﴾ مثنوی کس زبان کا لفظ ہے؟

﴿۲﴾ مثنوی کس زبان کی پیداوار ہے؟

﴿۳﴾ ''مثنیٰ'' کا معنی کیا ہے؟

﴿۴﴾ اِس اکائی میں مثنوی کی کتنی اقسام بتائی گئی ہیں؟

﴿۵﴾ عام طور پر مثنوی کے اجزاے ترکیبی کون کون سے ہوتے ہیں؟

02.07 مثنوی سحر البیان (منتخب اشعار)

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ — کہ تھا وہ شہنشاہِ گیتی پناہ

بہت حشمت و جاہ و مال و منال — بہت فوج سے اپنی فرخندہ حال

کئی بادشاہ اُس کو دیتے تھے باج — خطا اور ختن سے وہ لیتا خراج

کوئی دیکھتا آ کے جب اُس کی فوج — تو کہتا کہ ہے بحرِ ہستی کی موج

طویلے کے اُس کے جو ادنیٰ تھے خَر — اُنہیں نعل بندی میں ملتا تھا زَر

جہاں تک کہ سرکش تھے اطراف کے — وہ اُس شہ کے رہتے تھے قدموں لگے

رعیت تھی آسودہ و بے خطر — نہ غم مفلسی کا، نہ چوری کا ڈر

عجب شہر تھا اُس کا مینو سواد — کہ قدرت خدائی کی آتی یاد

لگے تھے ہر اک جا پہ واں سنگ و خشت — ہر اک کوچہ اُس کا تھا رشکِ بہشت

زمیں سبز و سیراب عالم تمام
نظر کو طراوت وہاں صبح و شام

کہیں چاہ و منبع، کہیں حوض و نہر
ہر اک جا پہ آبِ لطافت کی لہر

عمارت تھی گچ کی وہاں بیش تر
کہ گزرے صفائی سے جس پر نظر

کروں اُس کی وسعت کا میں کیا بیاں
کہ جوں اصفہاں تھا وہ نصفِ جہاں

ہنر مند واں اہلِ حرفہ تمام
ہر اک نوع کی خلق کا اِزدحام

جہاں تک کہ رستے تھے بازار کے
کہے تو کہ تختے تھے گلزار کے

یہ دل چسپ بازار تھے چوک کا
کہ ٹھہرے جہاں بس وہیں دل لگا

وہ پختہ دُکانوں کے دیوار و دَر
سفیدی پہ جس کی نہ ٹھہرے نظر

صفا پر جو اُس کی نظر کر گئے
اُسے دیکھ کر سنگ مر مر گئے

کہوں قلعے کی اُس کے کیا میں شکوہ
گئے دَب بلندی کو دیکھ اُس کی کوہ

وہ دولت سرا خانۂ نور تھا
سدا عیش و عشرت سے معمور تھا

ہمیشہ خوشی، رات دن سیرِ باغ
نہ دیکھا کسی دل پہ جز لالہ داغ

سدا عیش وعشرت، سدا راگ و رنگ
نہ تھا زیست سے کوئی اپنی بہ تنگ

غنی واں ہوا جو کہ آیا تباہ
عجب شہر تھا وہ، عجب بادشاہ

نہ دیکھا کسی نے کوئی واں فقیر
ہوئے اُس کی دولت سے گھر گھر امیر

کہاں تک کہوں اُس کا جاہ وحشم
محلّ و مکاں اُس کا رشکِ اِرَم

02.08 مثنوی گلزارِنسیم (منتخب اشعار)

پورب میں ایک تھا شہنشاہ
سلطان زین الملوک ذی جاہ

لشکر کش و تاج دار تھا وہ
دشمن کش و شہریار تھا وہ

خالق نے دِیے تھے چار فرزند
دانا، عاقل ، ذکی، خرد مند

نقشہ ایک اور نے جمایا
پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا

اُمید کے نخل نے دیا بار
خورشیدِ حمل ہوا نمودار

وہ نور کہ صدقے مہرِ انور
وہ رُخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جس پر

نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو
چشمک تھی نصیب اُس پدر کو

خوش ہوتے ہی طفلِ مہ جبیں سے ثابت یہ ہوا ستارہ بیں سے
پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اِسی کو پھر دیکھ نہ سکے گا کسی کو
نظروں سے گرا وہ طفلِ ابتر مانندِ سرشکِ دیدۂ تر
پردے سے نہ دایہ نے نکالا پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا
تھا افسرِ خسرواں وہ گل فام پالا تاج الملوک رکھ نام
جب نامِ خدا جواں ہوا وہ مانندِ نظر رواں ہوا وہ
آتا تھا شکار گاہ سے شاہ نظارہ کیا پدر نے ناگاہ
صاد آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی بینائی کے چہرے پر نظر کی
مہرِ لبِ شہ ہوئی خموشی کی نورِ بصر سے چشم پوشی
دی آنکھ جو شہ نے رُونمائی چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی
ہر چند کہ پادشہ نے ٹالا اُس ماہ کو شہر سے نکالا
گھر گھر یہی ذکر تھا، یہی شور خارج ہوا نورِ دیدۂ کور
آیا کوئی لے کے نسخۂ نور لایا کوئی جا کے سرمۂ طور
تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور
ہوتا ہے وہی ،خدا جو چاہے مختار ہے، جس طرح نباہے
پایا جو سفید چشمِ صفحا یوں میلِ قلم نے سرمہ کھینچا
تھا ایک کحال پیرِ دیریں عیسیٰ کی تھیں اُس نے آنکھیں دیکھیں
وہ مردِ خدا بہت کراہا سلطان سے ملا،کہا کہ شاہا!

02.09 خلاصہ

مثنوی عربی زبان کا لفظ ہے جو لفظِ ثنی سے مشتق ہے۔مثنوی ایسی صنفِ سخن ہے جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اور ہر شعر کے بعد قافیہ بدل جاتا ہے مگر پورا مثنوی ایک ہی بحر میں ہوتی ہے۔موضوعاتی اعتبار سے مثنوی کو مختلف خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔جیسے مذہبی، تاریخی، معاشرتی، حب الوطنی اور ہندوستانی کہانیوں اور قصوں سے ماخوذ مثنویاں۔مثنوی کے کچھ اجزائے ترکیبی بھی ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر مثنوی لکھی جاتی ہے۔مثلاً توحید، مدحِ حاکم ،تعریفِ شعروسخن، سببِ تالیف اور اصل قصہ وغیرہ۔رباعی کی طرح مثنوی بھی ایرانیوں کی ایجاد ہے۔یہ فارسی سے اردو میں آئی ہے۔

02.10 فرہنگ

اختراع : ایجاد، جمع اختراعات
اِرَم : شداد کی بنائی ہوئی جنت
اصفہان : ایران کا ایک شہر
بصر : آنکھ
پس ماندہ : بچا ہوا
پیرِ دیریں : بوڑھا آدمی
پیش خیمہ : تمہید
چشمک : رنجش
خَر : گدھا
دولت سرا : بادشاہ کا مکان
ذکی : ذہین
رَعیت : رعایا
ستارہ بیں : نجومی
سنگ وخشت : اینٹ، پتھر
شکوہ : شان وشوکت
صفا : چمک
فرخندہ حال : خوش حال
کحال : آنکھوں کا حکیم
کوہ : پہاڑ
گچ : ایک قسم کی سفیدی جسے چونے کے ساتھ ملا کر پلستر کرتے ہیں
گیتی پناہ : دنیا کو پناہ دینے والا
متنوع : قسم قسم کا
مینوسواد : جنت جیسا، بے حد خوب صورت
نخل : درخت

02.11 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰۔۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : مثنوی کس زبان کا لفظ ہے؟
سوال نمبر۲ : مثنوی کس زبان کی پیداوار ہے؟
سوال نمبر۳ : ''مثنیٰ'' کا معنی کیا ہے؟

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰۔۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : مثنوی کی تعریف مع مثال لکھیے؟
سوال نمبر۲ : مثنوی کی اقسام تحریر کیجیے؟
سوال نمبر۳ : مثنوی کے اجزاے ترکیبی کون کون سے ہیں؟

02.12 حوالہ جاتی کتب

۱۔ اردو مثنوی کا ارتقا از عبدالقادر سروری
۲۔ اردو کی منظوم داستانیں از فرمان فتح پوری

02.13 اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

﴿۱﴾ عربی زبان کا

﴿۲﴾ فارسی زبان کا

﴿۳﴾ ''دو'' کے ہیں

﴿۴﴾ چھ قسمیں

﴿۵﴾ (۱) توحید (۲) مدحِ حاکم (۳) تعریفِ شعر و سخن (۴) سببِ تالیف (۵) اصل قصہ

اکائی 03 : مرثیہ

ساخت :

03.01 : اغراض ومقاصد

03.02 : تمہید

03.03 : مرثیہ کی تعریف

03.04 : مرثیہ کے اجزاے ترکیبی

03.05 : خلاصہ

03.06 : فرہنگ

03.07 : نمونہ امتحانی سوالات

03.08 : حوالہ جاتی کتب

03.01 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ مرثیہ کی تعریف اور مرثیہ کے اجزاے ترکیبی کا مطالعہ کریں گے۔ اس مطالعے کے بعد آپ مرثیہ کی بنیادی خصوصیات سے واقف ہو جائیں گے۔ اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ سے امید ہے کہ مرثیے سے آپ کی دل چسپی میں مزید اضافہ ہوگا۔

03.02 تمہید

مرثیہ اردو شاعری کی ایک اہم اور مقبول صنف ہے۔ اردو کا رثائی ادب اس قدر اہمیت وعظمت کا حامل ہے کہ اسے دنیا کے کسی بھی اعلیٰ ترین ادب وشاعری کے مقابلے میں رکھا جا سکتا ہے۔ عرب کی آغوش میں تربیت پانے والی یہ صنف ایران سے گذرتے ہوئے ہندوستان میں اپنی جوانی کو پہنچی۔ مرثیہ نے اردو ادب کو وہ عظمتیں عطا کیں کہ صرف مرثیہ کی ہی بنیاد پر اردو ادب کسی بھی عالمی زبان سے آنکھیں ملانے کی طاقت رکھتا ہے۔

03.03 مرثیہ کی تعریف

مرثیہ لفظِ رَثا سے مشتق ہے جس کا معنی ''کسی کی موت پر رونا اور آنسو بہانا'' ہے۔ عربی میں صنفِ مرثیہ سے مراد وہ نظم ہوتی ہے جس میں کسی کی وفات پر اظہارِ غم کیا جائے اور وفات یافتہ شخص کے اوصاف وغیرہ بیان کیے جائیں۔ اردو میں مرثیہ کا اطلاق اس نظم پر ہوتا ہے جس میں واقعاتِ کربلا کو نظم کیا گیا ہو۔ رثائی نظم میں واقعاتِ کربلا یا آلِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق موضوعات شامل نہ ہوں تو اسے مرثیہ نہ کہہ کر تعزیتی نظم یا شخصی مرثیہ کہا جائے گا۔

03.04 مرثیہ کے اجزاے ترکیبی

چوں کہ مرثیہ کا تعلق واقعاتِ کربلا سے ہے اور اس میں حسینی قافلے کی بہادری و جواں مردی کی داستان ہوتی ہے۔ان کے آلاتِ حرب وضرب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔میدانِ جنگ کی منظر کشی کی جاتی ہے۔فدائیانِ حسین کی اپنے اقارب سے رخصتی کا منظر پیش کیا جاتا ہے۔ کربلائی بہادروں اور ان کے اعزا واقربا کے جذبات واحساسات کی تصویر کشی کی جاتی ہے۔جنگ،زخم اور شہادت کا منظر نامہ زیبِ قرطاس کیا جاتا ہے اور کربلا اور سانحۂ کربلا سے متعلق دیگر تفصیلات وغیرہ کو بیان کیا جاتا ہے۔اس لئے مذکورہ اور دیگر تمام واقعات میں ربط وانسلاک پیدا کرنے کے لئے اساتذۂ فن نے مرثیہ کے کچھ اجزاے ترکیبی متعین کیے ہیں۔جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔حالاں کہ کبھی کبھی ان اجزا سے یا پھر ان کی ترتیب سے گریز بھی کیا جاتا ہے۔

مرثیہ کے اجزاے ترکیبی کی تعریفات اور مثالیں ملاحظہ ہوں:

﴿۱﴾ چہرہ ﴿۲﴾ سراپا ﴿۳﴾ رخصت ﴿۴﴾ آمد

﴿۵﴾ رجز ﴿۶﴾ رزم ﴿۷﴾ شہادت ﴿۸﴾ بین

﴿۱﴾ چہرہ

''چہرہ'' مرثیے کا ابتدائیہ ہے۔مرثیہ میں چہرہ کی اہمیت وہی ہے جو قصیدے میں تشبیب کی ہے۔'چہرہ' میں شاعر حمد،نعت،منقبتِ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ،سفرِ کربلا اور جغرافیۂ کربلا وغیرہ کا تذکرہ کرتا ہے۔اس کے علاوہ شاعر اپنی شاعرانہ قادرالکلامی کا فخریہ بیان کرتا ہے اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف وتوصیف کرنے پر مسرت وانبساط کا اظہار کرتا ہے۔مرثیہ کے چہرہ میں تقریباً ان تمام مضامین کو نظم کیا جاسکتا ہے جنہیں قصیدے کی تشبیب میں نظم کیا جاتا ہے۔یہاں میر انیسؔ کے مرثیے سے چہرہ کا ایک بند پیش کیا جاتا ہے جس میں وہ اپنی قادرالکلامی اور مداحِ شبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فخریہ اظہار کررہے ہیں:

نمکِ خوانِ تکلم ہے فصاحت میری ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری
رنگ اڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری
عمر گذری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

﴿۲﴾ سراپا

دراصل یہ جز کربلائی بہادروں کا تعارف ہوتا ہے۔اس حصے میں شاعر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا اپنے محبوب کربلائی بہادر کا سراپا تحریر کرتا ہے۔تشبیہات واستعارات کے ذریعے اس کی خوبیوں اور بڑائیوں کا بیان کرتا ہے۔اپنے ہیرو سے اپنی محبت ووارفتگی کا ذکر کرتا ہے۔ میر انیسؔ جاں نثارانِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سراپا کھینچتے ہوئے حضرت عباس کے بارے میں کہتے ہیں:

سروشرمائے قد اس طرح کا قامت ایسی اسد اللہ کی تصویر تھے ،صورت ایسی
شیر،نعروں سے دہل جاتے تھےصولت ایسی جا کے پانی نہ پیا نہر میں ہمت ایسی
جان جب تک تھی اطاعت میں رہے بھائی کی
تھے علم دار ،مگر بچّوں کی سقّائی کی

﴿۳﴾رخصت

کربلا کا میدان ہے۔ جاں نثارانِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یکے بعد دیگرے میدانِ جنگ کے لئے رخصت ہو رہے ہیں۔رخصت ہونے والے بہادروں اور رخصت کرنے والے اعزا و اقربا دونوں کو ان کی شہادت کا یقینِ قطعی ہے۔شاعر اس منظر نامے کو اور رخصتی کے وقت اعزا و اقربا کے جذبات و احساسات اور بہادر کے شوقِ شہادت اور اس کے جذبۂ ایمانی کا تذکرہ کرتا ہے۔

میر انیسؔ نے حضرت عون و محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما (جو حضرت زینب کے لختِ جگر ہیں) کی رخصتی کی منظر کشی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خیمے سے برآمد ہوئے زینب کے جو دلبر دیکھا کہ حسین ابنِ علی روتے ہیں در پر
بس جھک گئے تسلیم کو حضرت کی وہ صفدر منہ کر کے سوے چرخ پکارے شہِ بے پر
یہ وہ ہیں جو آغوش میں زینب کی پلے ہیں
بچے بھی تری راہ میں مرنے کو چلے ہیں

﴿۴﴾آمد

مرثیے کے اس جز میں شاعر اپنے کردار (کربلائی ہیرو) کی میدانِ جنگ میں آمد کا ذکر کراتا ہے۔مرزا دبیر چھ ماہ کے معصوم علی اصغر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں کہ بچہ جنگ کی خاطر نہیں بلکہ باپ کی گود میں پانی کے چند قطرات کے لئے آ رہا ہے:

لے آئے چھپائے ہوئے دامن میں شہِ دیں تھا خشک لب و خشک دہن یہ گلِ بے کیں
شش ماہہ سزا پائے یہ ہے کون سا آئیں قربانیاں اس شان کی دنیا نے نہ دیکھیں
جس وقت کہ دامن رخِ زیبا سے ہٹا ہے
تھا سب کو گماں رحل پہ قرآن کھلا ہے

﴿۵﴾رَجز

عرب کے مقابلوں کا یہ رواج تھا کہ مقابل جنگ سے پہلے اپنے حسب و نسب، خاندانی روایات، آبا و اجداد کے کارناموں اور اپنی جواں مردی و بہادری کا جوشیلی آواز میں بیان کرتے تھے۔اس کو رجز کہا جاتا تھا۔یہ بھی مرثیہ کا جز ہے۔شاعر اس جز میں اپنے ہیرو کی زبان سے فخریہ و رجزیہ کلمات ادا کرواتا ہے۔ان کلمات میں شجاعت، بہادری، خاندانی شان و شوکت، رسول اور آلِ رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے قربت اور جوش و جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔مرزا دبیرؔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زبان سے اس طرح رجزیہ اشعار ادا کرواتے ہیں:

دو چاند کو کرتی ہے اک انگشت ہماری ہے مہرِ نبوت سے ملی پشت ہماری
ہے تیغِ ظفر وقتِ زَد و کشت ہماری سو گرزِ قضا ضربتِ یک مشت ہماری
قدرت کے نیستان کے ہم شیر ہیں ظالم
ہم شیر ہیں اور صاحبِ شمشیر ہیں ظالم

﴿۶﴾ رزم

یہ جز مرثیہ کا اہم حصہ ہے۔اس میں مرثیہ نگار جنگِ کربلا کا نقشہ کھینچتا ہے۔اپنے ہیرو کی بہادری و جواں مردی، ہمت و طاقت، غیظ و غضب، اسلحہ جات کی تعریف و توصیف اور اس کی بے جگرانہ جنگ کی کیفیات کا بیان کرتا ہے۔میر انیسؔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنگ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کبھی چہرہ کبھی شانہ کبھی پیکر کاٹا کبھی در آئی جگر میں تو کبھی سر کاٹا
کبھی مغفر کبھی جوشن کبھی بکتر کاٹا طول میں راکب و مرکب کو برابر کاٹا
برّشِ تیغ کا غل قاف سے تا قاف رہا
پی گئی خون ہزاروں کا ، پہ مُنہ صاف رہا

﴿۷﴾ شہادت

اس حصے میں شاعر اپنے ہیرو کی شہادت، اس کے گھوڑے سے گرنے کا منظر، اس پر تیر و تلوار اور نیزوں کی برسات وغیرہ کا ذکر کرتا ہے۔میر انیسؔ نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا منظر اس طرح کھینچا ہے:

کھینچ کر سینے سے نیزہ ، جو بڑھا دشمنِ دیں جھک کے حضرت نے رکھی خاک پہ سجدہ میں جبیں
تیز کرتا ہوا خنجر کو بڑھا شمرِ لعیں آسماں ہل گئے ، تھرّا گئی مقتل کی زمیں
کیا کہوں ، تیغ کو کس طرح گلے پر رکھا
پاؤں قرآں پہ رکھا حلق پہ خنجر رکھا

﴿۸﴾ بین

یہ جز مرثیہ کا آخری حصہ ہے۔اس جز میں شاعر کربلائی مجاہد کی لاش کو خیمے میں لانے کا ذکر کرتا ہے اور لاش پر خواتین کی گریہ وزاری اور ان کے بین و بکا کا تذکرہ کرتا ہے۔یہی بین و بکا اور گریہ وزاری مرثیہ کا مقصود ہوتا ہے۔شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی آہ و زاری اور گریہ و بکا میں سامعین و قارئین کو شریک کر لے۔حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بین ملاحظہ کیجیے:

رو کے چلاّئی کہ ہے ہے مرے مظلوم حسین! فوجِ اعدا میں ترے قتل کی ہے دھوم حسین!
کچھ مجھے آنکھوں سے ہوتا نہیں معلوم حسین! ہائے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسین!
مڑ کے دیکھو کہ مصیبت میں پڑی ہوں بھائی
ننگے سر ، بلوۂ اعدا میں کھڑی ہوں بھائی

عام طور پر مرثیہ مسدّس کی شکل میں لکھا جاتا ہے اور اس ہیئت کو مرثیہ کے لئے ترقی یافتہ تصوّر کیا جاتا ہے۔ مرزا محمد رفیع سوداؔ وہ شاعر ہیں جنہوں نے نہ صرف مرثیہ کو مسدّس کی صورت میں متعارف کروایا بلکہ اس ہیئت کو مرثیہ کا جز ہی بنا دیا۔ میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ نے مراثی کے لئے اس ہیئت کا انتخاب کر کے ۸۸/ مرثیہ کے ساتھ مسدّس کے تصوّر کو ناگزیر بنا دیا۔

03.05 خلاصہ

مرثیہ عربی لفظ ''رثا'' سے ماخوذ ہے جس کا معنیٰ ''میت پر رونا یا آنسو بہانا'' ہے۔ اصطلاحِ عربی میں مرثیہ سے مراد وہ نظم ہے جس میں کسی کی وفات پر اظہارِ غم کیا جائے اور وفات یافتہ شخص کے اوصاف وغیرہ بیان کیے جائیں۔ اردو ادب میں وہ نظم جس میں واقعاتِ کربلا کا ذکر ہو، مرثیہ کہلاتی ہے۔

مرثیہ کے اجزائے ترکیبی آٹھ ہیں۔ ۱۔ چہرہ ۲۔ سراپا ۳۔ رخصت ۴۔ آمد ۵۔ رجز ۶۔ جنگ ۷۔ شہادت ۸۔ بین۔

چہرہ مرثیہ میں تشبیب کی جگہ ہوتا ہے۔ سراپا میں کربلائی ہیرو کا حلیہ وغیرہ ذکر کیا جاتا ہے۔ رخصت میں کربلائی ہیرو کی خیمۂ حسین سے رخصتی کا تذکرہ ہوتا ہے۔ آمد میں جاں نثارِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے میدانِ کربلا میں ورود کا تذکرہ ہوتا ہے۔ رجز میں حسینی فدائی کے فخر و مباہات کا بیان ہوتا ہے۔ جنگ کے حصے میں ہیرو کی جواں مردی و بہادری کا تذکرہ ہوتا ہے۔ شہادت میں حسینی فدائی کے گھوڑے سے گرنے، زخمی ہونے اور وفات پانے کا بیان ہوتا ہے جب کہ آخری حصے بین میں اعزا و اقربا اور کربلائی خواتین کا ماتم وغیرہ مذکور ہوتا ہے۔

03.06 فرہنگ

آلات	: آلہ کی جمع ہتھیار	راکب	: سوار
اثر آفرین	: اثر پیدا کرنے والی	رثا	: رونا رلانا
اختراعات	: اپنے سے ایجاد کردہ	رخصت	: مرثیہ کے اجزائے ترکیبی کا ایک جزو
اظہار	: ظاہر کرنا	سرمایہ	: پونجی، مال
اندراج کرنا	: رجسٹر وغیرہ میں لکھنا	شوقِ شہادت	: شہادت کی تمنا کرنا
اوصاف	: وصف کی جمع خوبیاں	مراسم	: تعلقات، رشتے
برآمد	: ظاہر ہونا	مرکب	: سواری
بنیادی	: خاص	مسدّس	: وہ نظم جس کے ہر بند میں چھ ۶ مصرعے ہوں
تمکنت	: تعلّی، شان و شوکت	مغفر	: لوہے کی ٹوپی
جوانی	: عروج	منظوم	: نظم کیا ہوا
جوشن	: جنگ میں ہاتھ میں پہننے کا لباس	واقف	: آگاہ
دل چسپی	: دل کو پسند آنے والی	ہم آہنگ	: ملا جلا

03.07 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰۔۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : مرثیہ کی تعریف قلم بند کیجیے؟

سوال نمبر۲ : رجز کی تعریف مع مثال تحریر کیجیے؟

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰۔۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : مرثیہ کی اردو تاریخ قلم بند کیجیے؟

سوال نمبر۲ : مرثیہ کے اجزاے ترکیبی سپردِ قرطاس کیجیے؟

03.08 حوالہ جاتی کتب

۱۔ مرثیہ خوانی کا فن از نیّر مسعود

۲۔ اردو مرثیہ کا ارتقا از مسیح الزّماں

اکائی 04 : قصیدہ

ساخت :

04.01 : اغراض ومقاصد

04.02 : تمہید

04.03 : قصیدہ کی تعریف

4.04 : قصیدہ کے اجزاے ترکیبی

04.05 : انتخابِ قصائد

04.05 : خلاصہ

04.06 : فرہنگ

04.07 : نمونہ امتحانی سوالات

04.08 : حوالہ جاتی کتب

04.01 اغراض ومقاصد

قصیدہ تمام اصنافِ سخن سے نہ صرف یہ کہ قدیم ہے بلکہ ممتاز درجہ بھی رکھتا ہے۔ اِس اکائی کا مقصد قصیدہ کی تعریف بیان کرنی ہے اوران خصوصیات کو بیان کرنا ہے جو اسے دیگر اصنافِ سخن سے ممتاز کرتی ہیں۔

04.02 تمہید

قصیدہ ایک قدیم ترین عربی صنفِ سخن ہے۔ یہ قدیم ترین ہی نہیں مشکل ترین صنف بھی ہے۔قصیدہ عربی سے یہ فارسی میں منتقل ہوا اورفارسی سے اردو میں منتقل ہوا۔اسی لئے اردو میں فارسی قصیدے کی تمام خصوصیات بھی منتقل ہوئیں۔

04.03 قصیدہ کی تعریف

قصیدہ کا مادّہ ''قصد'' ہے جس کا معنی ''ارادہ کرنا'' ہے۔قصیدہ کا موضوع مدح و ذم کے ساتھ خصوصیات رکھتا ہے اور دونوں ہی صورتوں میں شاعر کو بعض مصنوعی جذبات اپنے اوپر طاری کرنے پڑتے ہیں۔ اُسے مختلف نوعیت کے تعریف کے پہلو نکالنے پڑتے ہیں یا کردار کے ایسے پہلو ڈھونڈنا اس کا مقصود ہوتا ہے جنہیں طنز وہجو کا نشانہ بنایا جاسکے۔اس سارے عمل میں شاعر کی شعوری کوشش کا دخل ہوتا ہے۔مدح میں اس کی ایک مقصد اپنے علم وفضل سے ممدوح کو مرعوب کرنا بھی ہوتا ہے۔اس لئے وہ جابجا مبالغہ آمیز اسماے صفات کا استعمال کرتا ہے۔تشبیہات واستعارات میں ندرت وجدّت کو ملحوظ رکھتا ہے۔دوراز کار خیالات کو بروے کار لاتا ہے۔ جہاں شعوری کوشش ہوتی ہے وہاں شاعری میں ہمیشہ تصنع ایک حاوی رجحان کی حیثیت رکھتا ہے۔

قصیدہ کا دوسرا معنی ''چربی دار گودا'' ہے۔ اس لئے کہ اس کے مضامین مغزِ فربہ (چربی دار گودے) کی طرح طبائع کو لذیذ معلوم ہوتے ہیں۔ قصیدے کی زبان میں شکوہ اور طنطنہ ہوتا ہے۔ اس کا آہنگ بلند اور اس کی تراکیبِ الفاظ میں ندرت اور جدّت ہوتی ہے جو شاعر کی قادرالکلامی کا مظہر ہوتی ہے۔ شاعر معنیِ کثیرہ اور معنیِ جلیلہ کی فکر کرتا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ مؤثر کن ہو سکے۔

ڈاکٹر ابو محمد سحر کہتے ہیں:

''قصیدہ اس مسلسل نظم کو کہتے ہیں جس کے پہلے شعر کے دونوں مصرعے اور بقیہ اشعار کے دوسرے مصرعے ہم قافیہ و ہم ردیف ہوں اور جس میں مدح و ذم، نصیحت و موعظت یا مختلف کیفیات و حالات وغیرہ کا بیان ہو..... چوں کہ اس کے مضامین جلیل و متین، ذائقہ طبعِ سلیم کو لذت دیتے ہیں۔ اس لئے اس کو قصیدہ کہتے ہیں۔ ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ چوں کہ قصیدہ اپنے مضامین میں نام و بلند کے لحاظ سے جملہ اصنافِ سخن میں وہی فوقیت رکھتا ہے جو جسمِ انسانی میں مغزِ سر کو حاصل ہے۔ اس لئے اس کو مغزِ سخن سے تعبیر کر کے قصیدے کا نام دیا گیا ہے..... چوں کہ اس صنف میں شاعر بالقصد کسی کی مدح یا ذم یا کسی اور مضمون کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اس لئے اسے قصیدہ کہتے ہیں۔''

قصیدہ کی تین قسمیں ہیں:

﴿الف﴾ سربراہِ مملکت، وزرا اور اُمرا کی تعریف و تحسین جس کا مقصد ہوتا ہے۔

﴿ب﴾ نعتیہ قصیدہ، جو حضورِ اکرم ﷺ کی شان میں لکھا جاتا ہے اور منقبتیہ قصیدہ جس میں پیشوایانِ دین کی مدح ہوتی ہے۔

﴿ج﴾ ہجویہ قصیدہ یا شہر آشوب، جس میں عالمِ روزگار کی ابتری اور طوائف الملوکی کو موضوع بنایا جاتا ہے۔

04.04 قصیدہ کے اجزاے ترکیبی

قصیدہ کے چار اجزاے ترکیبی ہیں:

﴿۱﴾ تشبیب ﴿۲﴾ گریز ﴿۳﴾ مدح ﴿۴﴾ دعا

﴿۱﴾ تشبیب

قصیدہ کا پہلا جُز ''تشبیب'' کہلاتا ہے۔ تشبیب کو نسیب بھی کہتے ہیں۔ عربی قصائد میں یہ حصہ عشقیہ موضوعات کے لئے مخصوص تھا۔ شعرا محبوبہ کی رہائش گاہ کو یاد کر کے ہجر و وصال کی واردات کو نظم کرتے تھے۔ محبوبہ کے حسن، دل رُبائی، غمزہ و ناز اور سراپا کو موضوع بنانے کی ایک روایت تھی۔ یہ روایت ''سبعِ معلقات'' کے قصائد میں بھی ملتی ہے۔ فارسی اور اُردو قصائد نے تشبیب کے موضوع کو وسعت بخشی۔ یہاں کے قصائد میں علم و حکمت، رندی و سرمستی، حسن و عشق، غمِ روزگار، شکایتِ زمانہ، جہانِ فانی، نصیحت و موعظت، ناقدریِ علم و فن اور شاعرانہ تعلّی جیسے موضوعات کی وجہ سے تشبیب میں تنوع کی گنجائش نکل آئی۔

﴿۲﴾ گریز

قصیدہ کا دوسرا جز ''گریز'' کہلاتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہوتا ہے جب شاعر تشبیب سے مدح کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ گریز دونوں اجزا کے درمیان ایک عبوری مرحلہ ہوتا ہے جو ربط کا کام کرتا ہے۔ شاعر اگر قادرالکلام اور گہری شعری حسیت رکھتا ہے تو وہ باتوں باتوں میں اس طور پر تشبیب سے مدح کی طرف آجاتا ہے کہ بادی النظر میں محسوس بھی نہیں ہوتا۔

﴿۳﴾ مدح

قصیدہ کا تیسرا جز ''مدح'' ہے۔ عربی قصائد میں بالعموم بے جا ستائش و تملّق سے گریز کیا جاتا تھا۔ اردو اور فارسی قصائد میں مدح پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ مدح میں ممدوح کے کرّ وفر، شجاعت و سخاوت، عفت و پاکیزگی، جود و کرم، علمیت و قابلیت، عبادت و ریاضت اور غیرت و راست بازی جیسی صفات کو عموماً مبالغے کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ شعرا اکثر حدِّ اعتدال سے پرے نکل جاتے ہیں اور مبالغے کے حدود اغراق و غلو سے جا ملتے ہیں جسے علما نے کبھی صائب نہیں قرار دیا۔

پروفیسر سید عابد علی نے مدح کے ضمن میں لکھا ہے:

> ''مدحِ اصلی تو یہ ہے کہ ان (ممدوح) کی عقل اور علم و فضل اور جود و حلم اور شجاعت و عدل کا بیان کیا جائے کہ یہ خصائلِ حمیدہ ہیں اور جوہرِ انسانیت ہیں۔ اسی طرح ممدوح کے رتبے کے اعتبار سے اسلوبِ مدح کا تفاوت بھی ملحوظ رہنا چاہیے۔ سلطانِ جابر ممدوح ہو تو عدل و انصاف اور تدبیرِ مملکت کی توصیف موزوں ہوگی اور اگر ممدوح وزیر ہے تو اس کی کفایت اور لیاقت کی مدح موزوں ٹھہرے گی۔ یہ نہ ہونا چاہیے کہ مدح رتبے کے مطابق نہ ہو۔''

مذہبی قصائد میں بزرگانِ دین کے مراتب اور ان کے فضائل و برکات کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ بعض قصیدہ گو شعرا کے کلام میں بے اعتدالی یا حدِّ ادب سے تجاوز کی صورتوں کے باعث قصیدہ بدنام بھی ہوا ہے۔ مذہبی قصائد میں بہر حال حزم و احتیاط کا لحاظ ایک شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

﴿۴﴾ دعا

قصیدہ کا آخری جُز ''عرضِ مطلب اور دعا'' ہے۔ جس میں ممدوح کے حق میں صحت و درازیِ عمر کی اور نیک خواہشات کے اظہار کے ساتھ اکثر اپنی محرومیوں کا ذکر بھی کیا جاتا ہے، جس کا مقصد حسنِ طلب اور دوسرے لفظوں میں عرضِ مدّعا ہوتا ہے۔

04.05 انتخابِ قصائد

قصیدہ تضحیک روزگار ﴿۱﴾ مرزا محمد رفیع سوداؔ

ہے چرخ جب سے ابلقِ ایام پر سوار — رکھتا نہیں ہے دستِ عناں کا بہ یک قرار
جن کے طویلے بیچ کوئی دن کی بات ہے — ہرگز عراقی و عربی کا نہ تھا شمار
اب دیکھتا ہوں میں کہ زمانے کے ہاتھ سے — موچی سے کفشِ پا کو گٹھاتے ہیں وہ اُدھار

تنہا ولے نہ دہر سے عالم خراب ہے خست سے اکثروں نے اُٹھایا ہے ننگ و عار
ہیں گے چناں چہ ایک ہمارے بھی مہرباں پاوے سزا جو اُن کا کوئی نام لے نہار
نوکر ہیں سو روپے کے دیانت کی راہ سے گھوڑا رکھے ہیں ایک سو اتنا خراب و خوار
نے دانہ و نہ کانہ نہ تیمار و نے سئیس رکھتا ہو جیسے اسپ گلی طفلِ شیر خوار
نا طاقتی کا اُس کے کہاں تک بیاں کروں فاقوں کا اُس کے اب میں کہاں تک کروں شمار
مانندِ نقشِ نعلِ زمیں سے بجز فنا ہرگز نہ اُٹھ سکے وہ اگر بیٹھے ایک بار
اِس مرتبہ کو بھوک سے پہنچا ہے اُس کا حال کرتا ہے راکب اُس کا جو بازار میں گزار

قصیدہ: زہے نشاط اگر کیجیے اسے تحریر ﴿۲﴾ شیخ ابراہیم ذوقؔ

زہے نشاط ! اگر کیجئے اسے تحریر عیاں ہو خامے سے ،تحریرِ نغمہ ، جائے صریر
زباں سے ذکر اگر چھیڑیے تو پیدا ہو نفس کے تار سے آوازِ خوش تر اَز بم و زیر
ہُوا یہ باغِ جہاں میں شگفتگی کا جوش کلیدِ قُفلِ دِلِ تنگ و خاطرِ دِل گیر
کرے ہے وَا لبِ غنچہ دَرِ ہزار سخن چمن میں موجِ تبسم کی کھول کر زنجیر
کچھ اِنبساطِ ہَوائے چمن سے دور نہیں جو وَا ہو غنچۂ مِنقارِ بلبلِ تصویر
قفس میں بیضہ کے بھی شوقِ نغمہ سنجی سے عجب نہیں کہ ہو مرغِ چمن بلند صفیر
اثر سے بادِ بہاری کے لہلہانے میں زمیں پہ ہم سرِ سُنبل ہے موجِ نقشِ حصیر
نکل کے سنگ سے گر ہو شرارہ تخم فشاں تو سبز فیضِ ہوا سے ہو وہ بہ رنگِ شعیر
زمیں پہ گرتے ہی لے آئے دانہ برگ وثمر جو ٹوٹے ہاتھ سے زاہد کے ، سبحۂ تزویر
ہَوا پہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابرِ سیاہ کہ جیسے جائے کوئی پیلِ مست بے زنجیر

قصیدہ: ہاں مہِ نو سنیں ہم اُس کا نام ﴿۳﴾ مرزا غالبؔ

ہاں مہِ نو سنیں ہم اُس کا نام جس کو تُو جھک کے کر رہا سلام
دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح یہی انداز اور یہی اندام
بارے دو دن کہاں رہا غائب بندہ عاجز ہے، گردشِ ایام
اُڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا آسماں نے بچھا رکھا تھا دام
مرحبا اے سرورِ خاص خواص حبذا اے نشاطِ عام عوام
عذر میں تین دن نہ آنے کے لے کے آیا ہے عید کا پیغام

اُس کو بھولا نہ چاہیے کہنا صبح جو جائے اور آئے شام
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا تیرا آغاز اور ترا انجام
رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نمام
جانتا ہوں کہ آج دنیا میں ایک ہی ہے اُمید گاہِ اَنام

قصیدہ: مدیحِ خیرالمرسلین ﴿۴﴾ **محسنؔ کاکوروی**

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل برق کے کاندھے پہ لاتی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدانِ گوکل جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طولِ امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
جانبِ قبلہ ہوئی ہے یورشِ ابر سیاہ کہیں پھر کعبے میں قبضہ نہ کریں لات وہبل
دُہر کا ترسا بچہ ہے برق لیے جل میں آگ ابر چوٹی کا برہمن ہے لیے آگ میں جل
ابر پنجابِ طلاطم میں ہے اعلیٰ ناظم برق بنگالۂ ظلمت میں گورنر جنرل
نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دوچار گھڑی پندرہ روز ہوئے پانی کو منگل منگل
دیکھیے ہوگا سری کرشن کا کیوں کر درشن سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بے کل
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں تار بارش کا تو ٹوٹے کوئی ساعت، کوئی پَل

04.05 خلاصہ

قصیدہ ایک قدیم صنفِ سخن ہے جو عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو میں آیا۔ اردو میں سب سے پہلے دکن میں اس نے نشو ونما پائی۔ نصرتی اور قلی قطب شاہ دکن کے بڑے قصیدہ گو شعرا میں سے ہیں۔ شمالی ہندوستان میں سوداؔ نے قصیدے کو باقاعدہ قائم کیا ور ایک ایسی روایت کی بنیاد رکھی جس کا سلسلہ ذوقؔ تک برقرار رہا۔ سوداؔ کے بعد انشاؔ اور مصحفیؔ نے قصائد لکھے لیکن ان میں سوداؔ جیسے فنی شعور اور طنز وظرافت کے مادّہ کی کمی تھی۔ انیسویں صدی کے نصفِ آخر میں ذوقؔ، غالبؔ اور مومنؔ نے قصیدے کی صنف کو ایک نئی زندگی بخشی۔ ذوقؔ کے قصائد سوداؔ کی پیروی میں تھے۔ غالبؔ نے قصیدے میں اختصار کے فن کو ترجیح دی اور اسے مبالغے اور تکلف وتصنع سے نجات دلائی۔ مومنؔ کے قصائد ان کی غزل کے رنگ میں ہیں لیکن انہوں نے بھی بعض مقامات پر اپنی قادرالکلامی کے جوہر دکھائے ہیں۔ نجوم، طب اور ہیئت کی اصطلاحات اور نامانوس لفظیات کو جابجا جگہ دی ہے۔ غالبؔ و ذوقؔ کے بعد اسیر لکھنوی، امیرؔ مینائی اور منیر شکوہ آبادی کے علاوہ بیسویں صدی میں محسنؔ کاکوروی نے قصیدے کی معیاری اور روایتی زبان سے دامن بچایا اور ہندوستانی اساطیر، دیوی دیوتاؤں اور مقاماتِ مقدسہ سے اسے مربوط کیا۔ یہ قصیدہ جدید نظم کی زبان میں ہے جس میں صفائیِ بیان، پاکیزگیِ خیال اور حقیقت پسندانہ تخیل نے قصیدے کو ایک نئی روایت سے آشنا کیا ہے۔

04.06 فرہنگ

اغراق	: حدِّ اعتدال سے پرے، مبالغہ	ذم	: برائی
تضحیک	: ہنسی اڑانا	سدوس	: سبز مصری چادر
تفاوت	: فرق	طرفگی	: عجیب وغریب، نادر
حمیت	: غیرت، مردانگی	فردگاہ	: رہائش گاہ
دست گاہ	: توانائی، قوت	قبیح	: نازیبا
دقیقہ	: لمحہ	ہدف	: نشانہ

04.07 نمونہ امتحانی سوالات.....

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰۔۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : قصیدہ کی تعریف کیجیے؟

سوال نمبر۲ : قصیدہ کی کتنی اقسام ہیں؟

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰۔۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : قصیدہ کے اجزاے ترکیبی کتنے ہیں؟

سوال نمبر۲ : محسنؔ کاکوروی کے قصیدہ کے بارے میں بتائیں؟

04.08 حوالہ جاتی کتب

۱۔ تاریخ ادب اردو	از	جمیل جالبی
۲۔ اردو شاعری کا فنی ارتقا	مرتبہ	فرمان فتح پوری
۳۔ قصیدہ کا فن اور اردو قصیدہ نگاری	از	ڈاکٹر ایم. کمال الدین

اکائی 05 : رباعی

ساخت :

05.01 : اغراض ومقاصد

05.02 : تمہید

05.03 : رباعی کی تعریف

05.04 : رباعی کے موضوعات

05.05 : رباعی کی ہیئت اوراوزان

05.06 : خلاصہ

05.07 : فرہنگ

05.08 : نمونہ امتحانی سوالات

05.09 : حوالہ جاتی کتب

05.10 : اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

05.01 اغراض ومقاصد

جس طرح اردو شاعری کی اصناف میں غزل، مرثیہ اور قصیدہ وغیرہ شامل ہیں اسی طرح رباعی بھی اردو شاعری کی ایک اہم صنف ہے۔ زیرِ نظر اکائی کے مطالعے سے آپ کو اردو رباعی کی تعریف، رباعی کے موضوعات اور چند رباعیوں سے واقف کرانا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ زبان و بیان اور موضوعات کے اعتبار سے یہ صنف دیگر اصنافِ سخن سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے۔

05.02 تمہید

رباعی شاعری کی ایک اہم صنف ہے۔ اردو شاعری کے ہر عہد میں یہ مقبول رہی ہے۔ رباعی کی ایجاد کا سہرا ایران والوں کے سر ہے۔ عرب والوں نے اس کو اہلِ ایران سے مستعار لیا اور اردو میں یہ فارسی زبان کے توسّط سے آئی۔ عرب کے مقابلے میں ایرانیوں نے رباعی پر خاص توجّہ دی اور اس کو فنی وسعت کے ساتھ ساتھ بے حد رواج دے کر مقبولِ عام بنایا۔ اس کو پہلے چار بیتوں (شعروں) میں لکھا جاتا تھا لیکن بعد میں اس کو دو بیتوں (شعروں) میں لکھا جانے لگا۔ اردو کی دیگر اصنافِ سخن میں رباعی گوئی ذرا مشکل فن ہے کیوں کہ اُس کی بحر مخصوص ہے جس پر طبع آزمائی کرنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ باوجود اس کے مختلف شعرا نے اس کے ذریعے کامیاب شاعری کی ہے اور بہترین طریقے سے اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کیا ہے۔

05.03 رباعی کی تعریف

رباعی، عربی لفظ ہے جو رباع سے مشتق ہے اور جس کے معنی ''چار'' کے ہوتے ہیں چوں کہ یہ چار مصرعوں یا دو اشعار پر مشتمل ہوتی ہے، اس لئے اس کو رباعی کہا جاتا ہے۔

رباعی فنِ شعر کی ایک ہیئتی صنف ہے جس میں صرف چار مصرعوں یعنی دو اشعار میں شاعر اپنا مطلب بیان کر دیتا ہے۔

دراصل یہ چار مصرعوں کی ایک چھوٹی سی نظم ہوتی ہے۔ اصطلاحاً رباعی اس مختصر نظم کو کہتے ہیں جو چار مصرعوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ جس کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے۔ رباعی کا چوتھا مصرع بہت چست، بلند اور زوردار ہوتا ہے جس میں پوری رباعی کا خلاصہ اور نچوڑ ہوتا ہے۔

رباعی کے اور بھی مختلف نام ہیں جیسے ترانہ، دوبیتی، چہاربیتی اور چہارمصراعی وغیرہ۔ قدیم زمانے میں اسے ترانہ اس لئے کہا جاتا تھا کہ موسیقی کے ماہرین نے رباعی کے وزن پر بہترین اور دل کش راگ ایجاد کیے تھے۔

دوبیتی اس لئے کہا جاتا ہے کیوں کہ اس میں دو اشعار ہوتے ہیں۔ اسی طرح رباعی کو ''چہاربیتی'' اس لئے کہا جاتا تھا کہ موجودہ ہیئت کی رباعی کے وجود میں آنے سے قبل ایران میں ایک ایسا وزن رائج تھا جس کا ایک مصرع دو رکنی ہوتا تھا۔

05.04 رباعی کے موضوعات

رباعی کے لئے کوئی خاص موضوع یا مضمون مختص نہیں ہے۔ اس میں کسی بھی طرح کے موضوع کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ اخلاقیات، فلسفہ، تصوّف، وعظ و پند و نصائح، حکیمانہ، خمریات، مدحیہ، مزاحیہ اور عشقیہ مضامین کے ساتھ ساتھ مختلف سیاسی، سماجی اور معاشرتی موضوعات پیش کیے جاتے ہیں۔ ذیل کی چند مثالوں سے آپ اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں:

اخلاقی موضوعات:

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے — وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی — جو ظرف کہ خالی ہو صدا دیتا ہے
(میر انیسؔ)

تصوفانہ موضوعات:

مانندِ نظر نظر سے مستور ہے تو — شہ رگ سے قریب اور پھر دور ہے تو
وہ آنکھ کہاں جس سے دیکھوں تجھ کو — آنکھیں خیرہ ہوں جس سے وہ نور ہے تو
(حسرت صدیقی)

مدحیہ موضوعات:

ایوانِ عدالت میں تمہارے اے شاہ — کیا ظلم کو ہے دخل عیاذاً باللہ
شیشے کا جو واں طاق ہے رپٹے ہے پاؤں — پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ
(سوداؔ)

سماجی موضوعات:

بیگانہ ہے کوئی تو کوئی ہے اپنا مشکل ہے یہ کہنا کہ یہی ہے اپنا
دم دوستی کا یوں تو سبھی بھرتے ہیں جو وقت پہ کام آئے وہی ہے اپنا
(مرزا حبیب علی)

طنزیہ ومزاحیہ موضوعات:

تھے کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی چاہتے تھے بڑی شے سو چھوٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحت نہ مانی آخر پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی
(اکبرالہ آبادیؔ)

فلسفیانہ موضوعات:

اس دارِ فانی میں مقصدِ دل کیا ہے کہیے تعبیرِ خوابِ باطل کیا ہے
جب قلب کو اک دَم بھی راحت نہ ملی آخر اس زندگی کا حاصل کیا ہے
(جگت موہن لال رواںؔ)

سیاسی موضوعات:

خونی چشمے اُبل رہے ہیں یارب خنجر سینوں پہ چل رہے ہیں یارب
تجھ کو بھی خبر ہے کہ تری دنیا میں چھوٹوں کو بڑے نگل رہے ہیں یارب
(جوشؔ ملیح آبادی)

مذہبی موضوعات:

ہیں مستِ مئے شہود تو بھی میں بھی ہیں مدعیِ نمود تو بھی میں بھی
یا تو ہی نہیں جہاں میں یا میں ہی نہیں ممکن نہیں دو وجود تو بھی میں بھی
(امجدؔ حیدر آبادی)

عشقیہ موضوعات:

بکھرے جو حسیں زلف بکھر جانے دے اس وقت کو کچھ اور سنور جانے دے
باقی نہ رہے صبح کا دھڑکا کوئی اک رات ایسی بھی گزر جانے دے
(جاں نثار اختر)

وہ بھول نہ پائے مجھے ، اللہ کرے یہ درد اُسے بھی مِلے ، اللہ کرے
جتنی بھی وہ کوشش کرے، ناکام رہے یاد آؤں میں ہر وقت اُسے، اللہ کرے
(سحرؔ بلرام پوری)

برداشت اَذیت نہیں کی جائے گی اِس کام کی نیت نہیں کی جائے گی
وحدت میں دُوئی کے لئے کیا رکھا ہے؟ دوبارہ محبت نہیں کی جائے گی
(سحرؔ بلرام پوری)

05.05 رباعی کی ہیئت اوراوزان

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ رباعی کو دوبیتی بھی کہتے ہیں۔اس صنفِ شاعری میں دوشعر یا چار مصرعے ہوتے ہیں یہی رباعی کی ظاہری ہیئت ہے اورانہے چاروں مصرعوں میں مکمّل مضمون ادا کیا جاتا ہے۔رباعی کا وزن مخصوص ہے۔یہ بحرِ ہزج میں کہی جاتی ہے۔اس کے پہلے، دوسرے اور تیسرے مصرعے میں قافیے کی پابندی لازمی ہے۔اگر تیسرے مصرعے میں بھی قافیہ لایا جائے تو کوئی حرج نہیں۔رباعی کے آخری دومصرعوں بالخصوص چوتھے مصرعے پر پوری رباعی کے حُسن ،اثر اورزور کا دارومدار ہوتا ہے۔

ابتدا میں رباعی کے چاروں مصرعے باہم مقفّٰی ہوتے تھے یعنی چاروں مصرعوں میں قافیہ ہوتا تھا۔کچھ عرصے کے بعد تیسرے مصرع سے قافیہ حذف کردیا گیا لیکن اب بھی کچھ اساتذۂ فن ایسی رباعیاں کہہ رہے ہیں جن کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں یعنی چاروں مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے۔اگر کوئی شعری تخلیق معنوی طور پر چار مصرعوں پر مشتمل ہو اور جس کے چاروں مصرعے بھی ہم قافیہ ہوں یا پہلا ،دوسرا اور چوتھا مصرع مقفّٰی ہو مگر وہ بحرِ ہزج میں نہ ہو تو اُسے رباعی نہیں کہا جاسکتا جیسے یہ چار مصرعے ۔

جنت کا سماں دکھا دیا مجھ کو کونین کا غم بھلا دیا ہے مجھ کو
کچھ ہوش نہیں کہ میں ہوں کس عالم میں ساقی نے یہ کیا پلا دیا ہے مجھ کو
(اخترؔ شیرانی)

جس رباعی کے تیسرے مصرع میں قافیہ نہیں ہوتا ہے اُسے رباعی خصّی کہا جاتا ہے اور جس رباعی کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں اُسے رباعی غیر خصّی کہتے ہیں۔کچھ لوگ خصّی رباعی کو غیر مصرّع یا ناقص اور غیر خصّی رباعی کو مصرع رباعی بھی کہتے ہیں۔آپ غیر خصّی اور خصّی رباعی یا مصرّع اور غیر مصرّع رباعی کی ہیئت کو آسانی سے سمجھ سکیں اس لئے بطورِ نمونہ درج ذیل رباعیوں کا بغور مطالعہ کریں۔

خُصّی رباعی:

کیا تیری جدائی میں ستم دیکھتے ہیں دیکھے وہ نہ دشمن بھی جو ہم دیکھتے ہیں
اس ظلم پہ اس جور پہ خاموش رہے ایسا تو جہاں میں کوئی کم دیکھتے ہیں
(امیر مینائی)

غیر خصّی رباعی:

قامت ہے کہ انگڑائیاں لیتی سرگم ہو رقص میں جیسے رنگ وبو کا عالَم
جگمگ جگمگ ہے شبنمستانِ ارم یا قوسِ قزح لچک رہی ہے پیہم
(فراقؔ)

رباعی کی ہیئتی نشانیوں میں اس کا وزن بھی ایک نشانی ہے۔ رباعی کا وزن ''لاحول ولاقوّۃ الاّ باللہ'' مقرّر رہے۔ یہ چند مخصوص اوزان میں ہی لکھی جاتی ہے۔ رباعی کے چوبیس اوزان مقرر ہیں۔ جو بحرِ ہزج سے حاصل کیے گئے ہیں۔ ان چوبیس اوزان میں سے بارہ اَوزان ''شجرۂ اَخرب'' میں داخل ہیں اور بارہ اَوزان ''شجرۂ اَخرم'' میں داخل ہیں۔ ماہرینِ عروض نے رباعی کے لئے ان اَوزان کو لازمی قرار دیا ہے۔ بغیر ان کی پابندی کے کوئی بھی دو اشعار یا چار مصرعے رباعی نہیں کہلائیں گے۔ رباعی کے ہر مصرع میں ''مخصوص وزن'' کے چار چار رکن ہوتے ہیں اور یہ چاروں ارکان بیس ماتراؤں پر مشتمل ہوتے ہیں جن کو عروضی اصطلاح میں افاعیل کہتے ہیں۔ کسی بھی رباعی میں چار ہی افاعیل ہوتے ہیں۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱﴾ رباعی کی ایجاد کا سہرا کس کے سر ہے؟
﴿۲﴾ رباعی، کس زبان کا لفظ ہے؟
﴿۳﴾ کس صنفِ شاعری کا نام ''دوبیتی'' بھی ہے؟
﴿۴﴾ رباعی کے لئے کون سی بحر مخصوص ہے؟
﴿۵﴾ سماجی موضوعات پر ایک رباعی تحریر کیجیے؟
﴿۶﴾ رباعی کا کون سا مصرع سب سے جان دار ہونا چاہیے؟
﴿۷﴾ جس رباعی کے چاروں مصرعے ہم قافیہ ہوں۔ اس کو کیا کہتے ہیں؟

05.06 خلاصہ

رباعی چار مصرعوں کی ایک چھوٹی سی نظم ہوتی ہے۔ شاعر صرف چار مصرعوں میں اپنے خیالات کو مکمّل کرتا ہے۔ رباعی کا وزن مخصوص ہے۔ یہ صرف بحرِ ہزج میں کہی جاتی ہے۔ عام طور پر رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے اگر تیسرے مصرع میں بھی قافیہ لایا جائے تو عیب نہیں۔ جس رباعی میں چاروں مصرعے مقفّٰی ہوتے ہیں اُسے غیر خصّی رباعی یا مصرّع رباعی کہتے ہیں۔ اگر کسی رباعی کے مصرعِ سوم میں قافیہ نہیں ہوتا ہے تو اُسے رباعی خصّی یا رباعی ناقص کہا جاتا ہے۔ وقت اور ارتقا کے ساتھ رباعی کے نام بھی تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ پہلے اسے ترانہ کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد اسے دوبیتی، چہار بیتی اور چہار مصراعی کہا جانے لگا۔

ابتدائی دَور کی رباعیوں میں تصوّف کے مسائل کے علاوہ حمد، نعت اور منقبت سے تعلّق رکھنے والے مضامین نظم کیے جاتے تھے۔ اس صنف کی رسائی بہت جلد درباروں میں بھی ہوگئی۔ رباعی گو شعرا اس صنف کے ذریعے اربابِ حکومت اور اُمرا کی مدح وستائش سے مطلب برآری کرنے لگے۔ سلاطینِ وقت کے حکم کی تعمیل میں درباری شعرا واقعات وسانحات کو بھی رباعی میں نظم کرنے لگے۔ ہنگامی حالات میں بھی

رباعیاں کہی جانے لگیں۔ تہنیت، شکوہ وشکایت، معذرت، طلب اور احسان مندی وغیرہ کا اظہار بھی رباعی کے ذریعے کیا جانے لگا۔ کچھ شاہانِ مملکت خود شاعر تھے۔ چوں کہ وہ عیش وعشرت اور رنگ رلیوں میں مبتلا رہتے تھے اس لئے اُن کی بیش تر رباعیات کا رنگ عشقیہ ہے۔ اُن کے یہاں حمد، نعت، منقبت، تصوف، شہدائے کربلا اور اخلاق کے موضوعات پر بھی کچھ رباعیاں نظر آتی ہیں۔

05.07 فرہنگ

احسان مندی	:	احسان ماننا	سانحات	:	سانحہ کی جمع (حادثہ)
پیہم	:	لگاتار	فروتنی	:	عاجزی
تخلیق	:	ایجاد (نظم ونثر)	کونین	:	دنیا وآخرت
تہی مغز	:	بے دماغ	مختص	:	خاص
جَور	:	ظلم	مدعی	:	دعویٰ کرنے والا
دارومدار	:	انحصار	مستعار	:	اُدھار
دخل	:	اختیار	مستور	:	پوشیدہ
دوئی	:	یکتائی کی ضد	مطلب برآری	:	مطلب نکالنا
دھڑکا	:	ڈر	مقفّٰی	:	ہم قافیہ
رنگ رلیاں	:	عیش وعشرت	مملکت	:	سلطنت
ساقی	:	شراب پلانے والا	وحدت	:	یکتائی

05.08 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰-۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : رباعی کی تعریف اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

سوال نمبر۲ : کسی شاعر کی ایک رباعی تحریر کیجیے۔

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰-۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : رباعی خصّی اور رباعی غیر خصّی کہتے ہیں لکھیے۔

سوال نمبر۲ : رباعی کے تعلق سے اپنی معلومات تحریر کیجیے؟

05.09 حوالہ جاتی کتب

۱۔ اردو رباعیاں از ڈاکٹر سلام سندیلوی

۲۔ اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں از شمیم احمد

۳۔ قصیدہ کا فن اور اُردو قصیدہ نگاری از ڈاکٹر ایم. کمال الدین

05.10 اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

﴿۱﴾ ایرانیوں کے

﴿۲﴾ عربی

﴿۳﴾ رباعی کا

﴿۴﴾ بحرِ ہزج

﴿۵﴾

بے گانہ ہے کوئی تو کوئی ہے اپنا مشکل ہے یہ کہنا کہ یہی ہے اپنا
دم دوستی کا یوں تو سبھی بھرتے ہیں جو وقت پہ کام آئے وہی ہے اپنا
(مرزا حبیب علی)

﴿۶﴾ چوتھا

﴿۷﴾ غیر خصّی

اکائی 06 : غزل

ساخت

06.01 : اغراض ومقاصد

06.02 : تمہید

06.03 : غزل کی تعریف

06.04 : غزل کے اجزاے ترکیبی

06.05 : منتخب غزلیں

06.06 : غزل کی بنیادی خصوصیات

06.07 : مضامینِ غزل

06.08 : خلاصہ

06.09 : فرہنگ

06.10 : نمونہ امتحانی سوالات

06.11 : حوالہ جاتی کتب

06.12 : اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

06.01 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں غزل کی تعریف، اس کے اجزاے ترکیبی، بنیادی خصوصیات، غزل میں مستعمل مختلف مضامین پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔ زیرِ نظر اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اردو غزل سے کافی حد تک واقف ہو جائیں گے جس سے آپ کو عام زندگی میں بھی غزل کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ جب غزل سمجھنے لگیں گے تو غزل سے آپ کی دل چسپی میں یقیناً اضافہ ہوگا۔

06.02 تمہید

غزل اردو شاعری کی بہت ہی اہم مشہور ومعروف صنف ہے۔ اردو شاعری میں جو مقبولیت غزل کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسری صنف کو نہیں ملی۔ غزل کو پسند کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہیں اردو نہیں آتی۔

06.03 غزل کی تعریف

غزل عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ''عورت یا محبوب سے باتیں کرنا'' ہے لیکن ایک صنف کی حیثیت سے یہ عرب کی پیداوار نہیں ہے۔ عرب میں یہ ایک دوسری صنف قصیدہ کا جز وتھی۔ قصیدے کے بیچ میں کبھی کبھی شعرا عاشقانہ اشعار شامل کر دیا کرتے تھے۔ ایران میں اسے قصیدے سے الگ کر کے ایک علاحدہ صنفِ سخن کی حیثیت دی گئی اور ایک آزاد صنفِ سخن کی حیثیت سے اسے ایسی مقبولیت اور ترقی ملی کہ وہ دوسری قدیم اصناف سے آگے نکل گئی۔ فارسی شعرا نے بھی غزل کو بے حد فروغ دیا۔ اردو میں غزل فارسی سے آئی اس لئے عام طور پر اس میں وہی عناصرِ ترکیبی اور صفات پائی جاتی ہیں جو فارسی غزل میں ملتی ہیں۔ غزل صرف معاملاتِ عشق تک محدود نہیں رہی۔ اس کا دامن رفتہ رفتہ وسیع ہوتا گیا اور زندگی کے مختلف مسائل اس میں جگہ بناتے گئے۔ غزل میں گفتگو اشارے اور کنائے میں کی جاتی ہے۔ جس کا مقصد اظہار کو پر اثر اور دل کش بنانا ہوتا ہے۔ زبان میں اس خوب صورتی کو پیدا کرنے کے لئے شاعروں نے تشبیہ، استعارہ اور کنایہ وغیرہ سے کام لیا ہے۔ جس سے زبان کی خوب صورتی کے ساتھ معنی میں بھی نئے نئے پہلو پیدا ہوئے ہیں۔ غزل اگر ایک طرف بہت آسان، صاف اور سادہ زبان میں ملتی ہے تو دوسری طرف یہ تشبیہ و استعارے سے آراستہ زبان ہے جس نے غزل کو ہر خاص و عام میں مقبول بنایا ہے۔

06.04 غزل کے اجزاے ترکیبی

غزل کے اجزاے ترکیبی ان چیزون کو کہتے ہیں جن سے مل کر غزل بنی ہے یا یوں کہیں کہ جو غزل کی پہچان ہیں اور جن کی کمی سے غزل مکمل نہیں ہوتی۔

مطلع: مطلع غزل کے پہلے شعر کو کہتے ہیں۔ مطلع کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہو اور اگر مردف غزل ہے تو دونوں مصرعوں میں قافیہ اور ردیف دونوں ہوں۔

حُسنِ مطلع: کسی غزل میں دو مطلعے یا ایک سے زائد مطلعے ہوں تو انہیں حُسنِ مطلع کہتے ہیں۔ غزل میں مطلعوں کی تعداد مقرر نہیں۔ ایک سے زائد مطلعے بھی ہو سکتے ہیں لیکن عام طور پر ایک ہی مطلع ہوتا ہے۔ اب آپ سوال کریں گے کہ قافیہ اور ردیف کیا ہیں؟ یہ سوال ذہن میں آنا فطری بات ہے۔

قافیہ: قافیہ کے لئے آسان لفظ 'تُک' ہے۔ آپ اکثر کسی بات پر کہتے ہیں، کیا تک بٹھائی ہے۔ یعنی ایک طرح کے الفاظ لانا جیسے ''پیمانہ، افسانہ، دیوانہ، یا شام، آرام، نام، دام، یا سال، حال، قال'' وغیرہ یہ سب قافیے ہیں۔ اس طرح شاعر کسی بھی لفظ کو قافیہ بنا سکتا ہے مثلاً درج ذیل مطلع میں اعتبار اور انتظار اور دوسرے مطلع میں جھکا اور اُٹھا قافیے ہیں:

غضب کیا ترے وعدے پہ اعتبار کیا تمام رات قیامت کا انتظار کیا
عجیب لوگ تھے سر کو جھکا کے بیٹھ گئے ہمیں ہماری جگہ سے اُٹھا کے بیٹھ گئے

ردیف: ردیف وہ لفظ یا الفاظ کا مجموعہ ہے جو مطلع کے علاوہ غزل کے ہر شعر کے دوسرے مصرعے کے آخر میں لایا جائے۔ ردیف کے طور پر کسی بھی لفظ کا استعمال کیا جا سکتا ہے لیکن پوری غزل میں اس کی پابندی لازمی ہوگی۔ مثلاً غالبؔ کی غزل کا مطلع ہے:

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے

اور میرؔ کے شعر کا مطلع ہے:

ہو گئی شہر شہر رسوائی اے مری موت تو بھلی آئی

پہلے مطلع میں 'ہوا' اور 'دوا' قافیے ہیں اور ''کیا ہے'' ردیف ہے۔ دوسرا مطلع غیر مردّف ہے یعنی اس میں ردیف کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ رسوائی اور آئی اس میں قافیے ہیں۔

تعدادِ اشعارِ غزل: غزل میں تعدادِ اشعار کی کوئی قید نہیں ہے لیکن عام طور پر غزل میں طاق اشعار ہوتے ہیں جیسے ۷، ۹ یا ۱۱/اشعار۔ اس سے زیادہ اشعار کی غزلیں بھی شعرا نے لکھی ہیں۔ عام رواج مختصر غزلوں کا ہے۔ فراقؔ گورکھ پوری ان شاعروں میں سے ہیں جنہوں نے طویل غزلیں کہی ہیں۔

مقطع: غزل کا آخری شعر جس میں شاعر اپنا تخلص رقم کرتا ہے، مقطع کہلاتا ہے۔ مقطع کو نظم کرنے میں شعرا نے اپنے تخلص سے خوب فائدہ اُٹھایا ہے۔ مومنؔ کا مقطع ہے:

لے نام آرزوؔ کا تو دل کو نکال لیں مومنؔ نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم (مومنؔ)

اب تو جاتے ہیں بت کدے سے میرؔ پھر ملیں گے اگر خدا لایا (میر تقی میرؔ)

کیفیتِ چشم اُس کی مجھے یاد ہے سوداؔ ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں (محمد رفیع سوداؔ)

اس طرح غزل کے آخری شعر میں اگر شاعر نے تخلص رقم کیا ہے تو وہ مقطع کہلائے گا۔

06.05 منتخب غزلیں

ذیل میں کچھ شعرا کی غزلوں کا متن درج کیا جا رہا ہے۔ آپ ان غزلوں کو پڑھیے اور غزل کے اجزاے ترکیبی کو پہچاننے کی کوشش کیجیے تا کہ آپ کے اندر بھی شعر سمجھنے اور کہنے کا ذوق وشوق پیدا ہو۔

میر تقی میرؔ کی ایک غزل پڑھیے:

غزل ﴿۱﴾

دیکھ تو دل کہ جاں سے اُٹھتا ہے یہ دھواں سا کہاں سے اُٹھتا ہے

گور کس دل جلے کی ہے یہ فلک! شعلہ اک صبح یاں سے اُٹھتا ہے

نالہ سر کھینچتا ہے جب میرا شور اک آسماں سے اُٹھتا ہے

بیٹھنے کون دے ہے پھر اُس کو جو ترے آستاں سے اُٹھتا ہے

یوں اُٹھے آہ اُس گلی سے ہم جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے

عشق اک میرؔ بھاری پتھر ہے کب یہ تجھ ناتواں سے اُٹھتا ہے؟

(میر تقی میرؔ)

مرزا غالبؔ کی ایک غزل کا لطف لیجیے:

غزل﴿۲﴾

دلِ ناداں! تجھے ہُوا کیا ہے؟ آخر اِس درد کی دوا کیا ہے؟
ہم ہیں مشتاق اور وہ بے زار یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟
مین بھی مُنہ میں زبان رکھتا ہوں کاش! پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟
ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے؟
جان تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا دُعا کیا ہے؟
میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے؟

(مرزا غالبؔ)

مومن خاں مومنؔ کی غزل پڑھیے:

غزل﴿۳﴾

اثر اُس کو ذرا نہیں ہوتا رنج راحت فزا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
حالِ دل یار کو لکھوں کیوں کر ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا
اس نے کیا جانے کیا کیا لے کر دل کسی کام کا نہیں ہوتا
کیوں سنے عرضِ مضطرا ے مومنؔ صنم آخر خدا نہیں ہوتا

(مومن خاں مومنؔ)

استادؔ بریلوی کی ایک غزل سے دل کو سکون بخشیے:

غزل﴿۴﴾

جو بیچے چلا جاتا ہے سامان وغیرہ وہ خود کو بتاتا ہے نگہبان وغیرہ
نادان تھا، اُس نے مری اک بات نہ مانی جب تک نہ پھٹے جیب و گریبان وغیرہ
جب سینوں میں باقی نہیں انساں کی محبت کس بات کے ہم درد ہیں، انسان وغیرہ
مقتول کے بھائی کی سنے کون کہانی انصاف کی مسند پہ ہیں شیطان وغیرہ
جس نے کبھی اسکول کا رستہ نہیں دیکھا اُس شخص کو سونپا ہے قلم دان وغیرہ
استادؔ جگا قوم کو شاید کہ بھلا ہو اُٹھ سکتے نہیں تجھ سے تو طوفان وغیرہ

(استادؔ بریلوی)

سحؔر بلرام پوری کی ایک غزل کا لطف اُٹھایئے:

غزل ﴿۵﴾

چلاتا ہے کوئی تیرِ نظر آہستہ آہستہ — کہیں زخمی نہ ہو جائے جگر آہستہ آہستہ
اُسے پَل بھر نہ دیکھوں تو بڑا بے چین رہتا ہوں — محبت ہو گئی ہے اِس قدر آہستہ آہستہ
محبت کو چھپانے کی ہزاروں کوششیں کر لو! — سبھی کو ہو ہی جاتی ہے خبر آہستہ آہستہ
بڑی بے اعتباری میں مرے دن رات گزرے ہیں — میں ہوتا جا رہا ہوں معتبر آہستہ آہستہ
اُڑا رکھی ہے میری نیند، تیری آہ و زاری نے — مریضِ دردِ فرقت! آہ کر آہستہ آہستہ
خدا سے دُور ہونے کے نتیجے صاف ظاہر ہیں — دعائیں ہو رہی ہیں بے اَثر آہستہ آہستہ
بڑی رُسوائیاں دَیر و حرم میں جھیل کر آخر — چلا ہے سُوے مے خانہ سحؔر آہستہ آہستہ

(سحؔر بلرام پوری)

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱﴾ غزل کا کیا معنی ہے؟
﴿۲﴾ غزل کس زبان کا لفظ ہے؟
﴿۳﴾ حسنِ مطلع سے کیا مراد ہے؟
﴿۴﴾ غزل کے اجزاے ترکیبی کیا ہیں؟
﴿۵﴾ مقطع کسے کہتے ہیں؟

06.06 غزل کی بنیادی خصوصیات

غزل کی خصوصیات یا شناخت کو دو طرح سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ اول ظاہری صورت جس میں قافیہ، ردیف، مطلع، حسنِ مطلع اور مقطع وغیرہ ہیں۔ دوسرے اس کی اندرونی ہیئت یعنی اس کے مضامین، زبان، تشبیہات اور استعارے جو غزل کو غزل بناتے ہیں۔ غزل کے مضامین کے سلسلے میں یہ بات بار بار کہی گئی ہے کہ اس میں پیار، محبت یا معاملاتِ عشق کا ذکر زیادہ ہوتا ہے۔ اردو کے مشہور شاعر فراقؔ گورکھ پوری کی بھی یہی رائے ہے۔ انہوں نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

''غزل کے اشعار معاملاتِ حسن و عشق پر زیادہ مشتمل ہوتے ہیں۔''

(فراقؔ گورکھ پوری بحوالہ اردو شاعری کا فنی ارتقا۔ مرتبہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ ص ۱۳)

لیکن یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ غزل میں صرف معاملاتِ حسن و عشق ہی ہوتے ہیں۔ اصل میں غزل کی زبان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ غزل میں ساری باتیں براہِ راست نہیں کہی جاتیں۔ غزل کا حسن اس کی رمزیت اور ایمائیت میں ہے۔ اس میں استعمال ہونے والے الفاظ مثلاً شمع، پروانہ، محفل، ساقی، گلشن، بہار، اسیری اور قفس عاشقانہ مفہوم کے الفاظ لگتے ہیں لیکن شاعر ان الفاظ کے پردے میں کچھ اور ہی کہتا ہے۔

غزل کی بنیادی خصوصیات میں اس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ہر شعر معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اپنی جگہ مکمل ہوتا ہے یعنی غزل میں اگر پانچ یا سات اشعار ہیں تو وہ اپنے معنی میں ایک دوسرے سے الگ ہوں گے۔ غزل کا ہر شعر اپنی جگہ پر ایک مکمل اکائی ہوتا ہے۔

بعض ناقدین نے غزل پر اسی لئے اعتراض کیا کہ اس کے اشعار میں ربط نہیں ہوتا۔ ان اعتراضات کرنے والوں میں ایک بہت بڑا نام کلیم الدین احمد کا ہے جن کا خیال ہے کہ غزل نیم وحشی صنفِ سخن ہے۔ بعض شعرا نے ایسی غزلیں بھی لکھی ہیں جن کے اشعار میں موضوع یا معنی کا تسلسل پایا جاتا ہے۔ ایسی غزلوں کو غزلِ مسلسل کہتے ہیں لیکن ایسی مثالیں عام نہیں ہیں۔

06.07 مضامینِ غزل

غزل کی بنیادی خصوصیات میں مضامینِ غزل کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ غزل کے مضامین کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ان کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔ شاعری یا ادب چوں کہ زندگی کا ترجمان ہوتا ہے۔ اس لئے زندگی کے بیش تر موضوعات پر غزلیہ اشعار مل جاتے ہیں۔ موضوعات یا مضامین کی تفہیم کے لئے انہیں چند خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے لیکن یہ تقسیم نامکمل ہی کہلائے گی۔ یہاں پر غزل کے کچھ خاص مضامین/موضوعات کی مثالیں درج کی جا رہی ہیں:

عاشقانہ:

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے — اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے (میر تقی میرؔ)

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سوداؔ — ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں (سوداؔ)

کس نے بھیگی ہوئی زلفوں سے یہ جھٹکا پانی — جھوم کر آئی گھٹا، ٹوٹ کے برسا پانی (آرزوؔ لکھنوی)

رنگ پیراہن کا، خوشبو زلف لہرانے کا نام — موسمِ گُل ہے تمہارے بام پر آنے کا نام (فیض احمد فیضؔ)

زمانے کی شکایت:

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا — کہ نہ ہنسنے میں رُو دیا ہوگا (خواجہ میر دردؔ)

آیا جو اس جہاں میں سو برباد ہی گیا — نَے جامِ جم نہ تختِ سلیمان رہ گیا (مصحفیؔ)

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے — ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے (خواجہ میر دردؔ)

ہستی کی ناپائداری:

ہستی اپنی حُباب کی سی ہے — یہ نمائش سراب کی سی ہے (میر تقی میرؔ)

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ — عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے (غالبؔ)

انیسؔ دَم کا بھروسا نہیں ٹھہر جاؤ — چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے (میر انیسؔ)

دارِ فانی میں یہ کیا ڈھونڈ رہا ہے فانیؔ — زندگی بھی کہیں ملتی ہے فنا سے پہلے (فانیؔ بدایونی)

صوفیانہ شاعری:

مدرسہ یا دَیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا	ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا	(میر دردؔ)
دلِ ہر قطرہ ہے سازِ انا البحر	ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا	(غالبؔ)
اب انا الحق کی صدائیں کر رہا ہوں میں بلند	ورنہ سونا وقت کا دار و رَسن رہ جائے گا	(استادؔ بریلوی)
ہم بتائیں گے انـــــاالـحــق کے رُموز	لوگ خود ہی دار پر چڑھ جائیں گے	(استادؔ بریلوی)
اے عشق! چوم حضرتِ منصور کی جبیں	آئی نہ حوصلے میں لچک، دار کے سبب	سحرؔ بلرام پوری
آتی ہیں یہ ہر سمت انا الحق کی صدائیں	منصور کے لہجے میں خدا بول رہا ہے	سحرؔ بلرام پوری

غزل کا لطف اوراس کا حُسن اس کی تشبیہات واستعارات اور صنائع میں پوشیدہ ہے۔غزل کی یہ بہت بڑی خوبی ہے کہ بڑی سے بڑی بات اشاروں اشاروں میں کہہ دی جاتی ہے۔غزل میں یہ کام شاعر تشبیہ، استعارہ اور دوسری صنعتوں سے لیتا ہے۔اسی لئے رشید احمد صدیقی نے لکھا ہے کہ ''غزل اردو شاعری کی آبرو ہے۔''

06.08 خلاصہ

مذکورہ اکائی میں غزل کے متعلق بتایا گیا ہے۔اس میں غزل کی تعریف، اجزائے ترکیبی، بنیادی خصوصیات اوراس کے مضامین سے بحث کی گئی ہے۔ جہاں تک غزل کی خصوصیات یا مضامین کا تعلق ہے تو وہ زندگی کے مسائل وموضوعات کی طرح بے حساب ہیں۔ ہمارے احساسات، جذبات اور مشاہدات کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہوگا جس پر ہمیں غزل کے اشعار نہ مل جائیں جو بار بار غزل میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔امید کی جاتی ہے کہ اس اکائی سے آپ کی معلومات میں یقیناً اضافہ ہوگا۔

06.09 فرہنگ

اصطلاح	عام معنی کے علاوہ کوئی اور معنی	عناصر	جزو،عنصر کی جمع
ایمائیت	اشاروں اشاروں میں	فروغ	ترقی
رمزیت	چھپا کر، پوشیدگی	کوتاہ	چھوٹا
سخن	شاعری	مشتمل	شامل
صفات	خوبیاں (صفت کی جمع)	مقطع	غزل کا آخری شعر
صنعت	شاعری کی قسم	ناقدین	تنقید کرنے والے
طاق	وہ عدد جو اکیلا ہو جیسے ۳، ۵، ۷ وغیرہ	ہیئت	شکل

06.10 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰۔۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : حسنِ مطلع کسے کہتے ہیں؟

سوال نمبر۲ : مطلع اور مقطع کی تعریف کیجیے۔

سوال نمبر۳ : غزل کی تعریف اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰۔۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : غزل کی خصوصیات بیان کیجیے۔

سوال نمبر۲ : غزل کے موضوعات پر روشنی ڈالیے۔

سوال نمبر۳ : غزل کے اجزاے ترکیبی سپردِ قرطاس کیجیے۔

06.11 حوالہ جاتی کتب

۱۔ غزل اور مطالعۂ غزل از ڈاکٹر عبادت بریلوی

۲۔ اُردو غزل از یوسف حسین خاں

۳۔ اُردو غزل از ڈاکٹر کامل قریشی

06.12 اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

﴿۱﴾ غزل کا معنی ''عورت یا محبوب سے باتیں کرنا'' ہے۔

﴿۲﴾ غزل عربی زبان کا لفظ ہے۔

﴿۳﴾ کسی غزل میں ایک سے زائد مطلعے ہوں تو انہیں حسنِ مطلع کہتے ہیں۔

﴿۴﴾ غزل کے اجزاے ترکیبی ہیں۔ مطلع، حسنِ مطلع، قافیہ، ردیف، تعدادِ اشعار، مقطع۔

﴿۵﴾ غزل کا آخری شعر: جس میں شاعر نے اپنا تخلص رقم کیا ہو۔

اکائی 07 : نظم

ساخت

07.01 : اغراض ومقاصد

07.02 : تمہید

07.03 : نظم کی تعریف اور خصوصیات

07.04 : نظم کی ہیئت

07.05 : نظم کا موضوع

07.06 : نظم کا آغاز وارتقا

07.07 : جدید نظم کا آغاز

07.08 : نمائندہ نظم نگار اور اُن کی نظمیں

07.09 : خلاصہ

07.10 : فرہنگ

07.11 : نمونہ امتحانی سوالات

07.12 : حوالہ جاتی کتب

07.13 : اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

07.01 اغراض ومقاصد

نظم اردو شاعری کی ایک اہم شاخ ہے جسے بطورِ صنف قبول کیا جا چکا ہے۔ جس طرح آپ ناول اور افسانے کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اسی طرح نظم کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ انسانی زندگی کے حقائق کو جب فکشن میں پیش کیا جاتا ہے تو اس کے اثرات جس طرح انسانی ذہنوں پر مرتّب ہوتے ہیں۔ اسی طرح شاعری میں پیش کیے گئے حقائق کے اثرات بھی ذہنوں پر مرتّب ہوتے ہیں۔ جب آپ نظم کا مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ زندگی اور تہذیبِ انسانی کے کیسے کیسے موضوعات کو نظم کے پیکر میں پیش کیا جاتا ہے۔ نظم کے مطالعے سے یہ بھی کھلتا ہے کہ آخر نظم دیگر اصنافِ شاعری سے کس طرح اور کن بنیادوں پر مختلف ومنفرد ہے۔

07.02 تمہید

ہر صنف کے وجود میں آنے کے کچھ اسباب ہوتے ہیں۔جس عہد میں جو صنف معرضِ وجود میں آتی ہے اس پر اس عہد کے تہذیبی تناظر کا خاص اثر ہوتا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ نظم کے ذیل میں وہ تمام اصناف آتی ہیں جو غزل سے الگ تھیں جیسے قصیدہ،مثنوی اور مرثیہ وغیرہ لیکن ہمیشہ کی طرح ایک التباس رہتا ہے کہ اگر ایسا ہے تو پھر قصیدہ،مثنوی یا مرثیہ میں کس کی ہیئت قابلِ قبول ہوگی۔اس سبق میں ان اُمور پر بحث کی جائے گی۔

07.03 نظم کی تعریف اور خصوصیات

نظم کی کوئی مکمّل تعریف اب تک سامنے نہیں آسکی ہے۔کبھی نثر کی ضد کے طور پر نظم کا استعمال ہوا ہے تو کبھی غزل کے علاوہ دوسری تمام اصناف پر نظم کا اطلاق ہوتا رہا ہے جیسے قصیدہ،مثنوی،شہر آشوب،مسدّس،مخمّس اور مرثیہ وغیرہ لیکن ہم جس صنفِ ''نظم'' کی بات کر رہے ہیں اس کی اپنی الگ شناخت ہے۔

نظم کی بنیادی خصوصیت ہے اس میں جذبات یا تاثّرات کی تجزیاتی پیش کش ہو۔یہ انفرادی بھی ہوسکتی ہے اور اجتماعی بھی۔اس کی تعریف کچھ یوں کی جاسکتی ہے کہ ایسی منظوم تخلیق جس میں ایک مرکزی خیال ہو اور ارتقائی عمل کارفرما ہو۔حالاں کہ یہ بحث ہوتی رہی ہے کہ ایک اختتام رکھنے کے باوجود نظم میں ارتقا ضروری نہیں ہے۔مرکزی خیال کا ہونا نظم کی بنیادی خصوصیت ہے اور ربط و تسلسل بھی لیکن نئی نظموں میں اس کی نفی بھی ہوتی رہی ہے۔

07.04 نظم کی ہیئت

نظم کی ہیئت طے نہیں ہے۔اس کی ہیئتی شکل کچھ بھی ہوسکتی ہے۔نظم،مثنوی،مخمّس،مربع،ترجیع بند،ترکیب بند،مستزاد،آزاد،معرّی اور اب نثری ہیئتوں بھی میں کہی جاتی ہے۔ان تمام ہیئتوں میں نظم کے نمونے موجود ہیں۔آج کل پابند نظمیں کم کہی جارہی ہیں۔زیادہ تر آزاد اور نثری نظمیں منظرِ عام پر آرہی ہیں لیکن اگر ہم نظم کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو محمد حسین آزاؔد،حالیؔ،شبلیؔ،اقبالؔ،جوشؔ،فیضؔ،سردار جعفری،ساحر لدھیانوی،مختار صدّیقی،ضیا جالندھری اور اخترؔ الایمان وغیرہ کے یہاں مثنوی،مسدّس،ترجیع بند،معرّا اور آزاد نظمیں خوب ملتی ہیں۔جدید نظم نگاروں میں ن.م.راشدؔ،میراجی،احمد ہمیشؔ،محمد علوی،افتخار جالب،،زاہد ڈار،باقر مہدی اور انیس ناگی وغیرہ نے نظم کی ہیئتوں میں نئے نئے تجربے کیے ہیں۔

07.05 نظم کا موضوع

نظم کے لئے کسی موضوع کی تخصیص نہیں ہے۔حُسن و عشق سے لے کر مناظرِ قدرت،سماجی مسائل سے لے کر حالاتِ حاضرہ کے تمام موضوعات کبھی انفرادی تو کبھی اجتماعی احساس بن کر اردو نظم میں آتے رہے ہیں۔ہندوستانی عناصر جیسے یہاں کے میلے ٹھیلے،تیج اور تہوار نظم میں آتے رہے ہیں۔تحریکِ آزادی اور انقلاب کو بھی نظم نگاروں نے اپنی تخلیقات کا موضوع بنایا ہے۔اس کے علاوہ ۱۹۶۰ء کے بعد کی نظموں میں جدید حسّیت نے انفرادی احساس کو تنہائی،خوف اور ذہنی انتشار وغیرہ سے ہم آہنگ کیا ہے۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱﴾ نظم کی تعریف کیا ہے؟

﴿۲﴾ نظم کن ہیئتوں میں کہی جاتی ہے؟

﴿۳﴾ نظم کا موضوع کیا ہے؟

07.06 نظم کا آغاز وارتقا

نظم کا آغاز دکنی شاعری سے ہوتا ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا نے لکھا ہے کہ دکنی دَور میں نظم پہلے وجود میں آئی اور غزل بعد میں۔اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''دکن میں شاعری کو آغازِ کار میں مذہبی اور تبلیغی مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا جس کے لئے غزل کے بجائے نظم زیادہ کارآمد تھی۔دوسرے دکن میں بادشاہت کا نظام خاصا توانا تھا اور بادشاہ کی مدح کے لئے قصیدے کا رواج پا جانا ایک بالکل قدرتی بات تھی۔''

(اُردو شاعری کا مزاج،ص۔۳۱۳)

قصیدے کا نام سن کر آپ تردد کا شکار نہ ہو جائیں۔شروع میں غزل کو چھوڑ کر دوسری تمام منظومات نظم کے زمرے میں آتی تھیں۔ اس کا ذِکر پہلے آ چکا ہے۔مثنوی،قصیدہ اور مرثیہ یہ تینوں اصناف اگرچہ ہیئت اور موضوع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن ان میں جو کہانی پن اور واقعیت ہوتی ہے یا جو مرکزی خیال ہوتا ہے۔اس کے اعتبار سے بھی یہ اصناف ''نظم'' ہی کی نمائندگی کرتی ہیں۔

دکنی شاعری میں بہمنی دور چودھویں اور پندرھویں صدی عیسوی کو تسلیم کیا گیا ہے جو دورِ اوّل بھی ہے۔اس دور میں خواجہ بندہ نواز گیسودراز اور نظامی وغیرہ کے نام اہم ہیں۔تصوّف اور مذہب کے مضامین ان کی نظموں میں زیادہ ہیں۔دوسرے دور کو قطب شاہی اور عادل شاہی دور کہا جاتا ہے جو سولھویں اور سترہویں صدی عیسوی کو محیط ہے۔اس عہد میں محمد قلی قطب شاہ،ابراہیم عادل شاہ،نصرتی،وجہی،غواصی، شوقی،ابن نشاطی،رستمی اور ہاشمی وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ان شعرا میں بیش تر نام مثنویوں کے لئے مشہور ہیں۔کچھ نے طبع زاد مثنویاں کہیں تو کچھ نے فارسی سے ترجمے کیے۔اس زمانے میں رزمیہ شاعری بھی ملتی ہے۔اگر موضوع دیکھیں تو عید،شبِ قدر،ولادت، محرّم،شادی،بیاہ،،نوروز،پرندے،موسم،برسات،بسنت،شاہی محل،عشق ومحبّت اور تصوّف یا مذہبی اُمور جیسے واضح موضوعات ملتے ہیں۔

تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو اٹھارہویں صدی کے شروع میں ہی اردو ادب دکن سے شمال یعنی دہلی کی طرف آمادۂ سفر ہو جاتا ہے۔۱۸۵۷ء سے پہلے تک کا دَور نظم کے مقابلے میں غزل کی ترویج وترقّی کا دَور ہے۔غزل داخلی کیفیات واحساسات کی پیش کش کا اہم اور اثر انگیز ذریعے رہی ہے۔چناں چہ اس زمانے میں نظمیں مختلف ہیئتوں یعنی مثنویوں یا قصیدوں کی شکل میں ضرورت کے تحت لکھی جاتی رہیں لیکن غزل کو عروج حاصل ہوا۔

۱۸۵۷ء کی ناکام جنگِ آزادی کے بعد سیاسی، سماجی، تعلیمی اور اقتصادی ماحول میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ ہندوستانیوں کے ذہن پر اس کے گہرے اثرات مرتّب ہوئے۔ اس زمانے میں اصلاحی تحریکیں بھی چلتی رہیں۔ بہت سے ہندوستانیوں نے انگریزی تہذیب اور زبان سے دوری اختیار کی تو بہتوں نے انگریزوں کی تہذیبی و تعلیمی سطح تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ پروفیسر احتشام حسین لکھتے ہیں:

''بنے بنائے راستوں پر چلنا ممکن نہ تھا اور نئے راستے اچھی طرح بنے نہ تھے۔ پرانے خیالات سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوا تھا۔ نئے خیالات نے ذہنوں میں جگہ نہیں بنائی تھی۔''

(عکس اور آئینے، ۱۹۶۲ء، ص۔ ۱۵۵)

انیسویں صدی کا یہ دَور کش مکش کا دَور تھا جس کی طرف اوپر کے اقتباس میں اشارہ ملتا ہے۔ اسی زمانے میں سرسیّد احمد خاں نے ''تہذیب الاخلاق'' میں اپنے موقف کا اظہار کیا کہ ہمیں یوروپین لٹریچر اور سائنس کی تعلیم حاصل کرنی چاہیے اور اگر ممکن ہو تو آکسفورڈ اور کیمبرج جا کر بھی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کریں۔ اس ترغیب اور میلان سے ایک طرح کی بیداری پیدا ہوئی اور اس کا اثر ہر میدان میں نظر آنے لگا۔ جب انگریزی شاعری سے ہم آہنگی پیدا ہوئی تو اردو شعرا کو اپنی ابتذال پسندی اور فرسودگی کا احساس ہوا۔

07.07 جدید نظم کا آغاز

جدید نظم کے آغاز کا سہرا محمد حسین آزاؔد اور حالیؔ کے سر جاتا ہے۔ آزاؔد نے ۱۸۶۷ء میں ''انجمنِ پنجاب'' کے جلسے میں انگریزی شاعری سے استفادہ اور اس کی افادیت پر روشنی ڈالی لیکن اس سے پہلے غلام مولیٰ قلقؔ کی پندرہ انگریزی نظموں کے منظوم ترجمے ''جواہرِ منظوم'' کے نام سے ۱۸۶۴ء میں شائع ہو چکے تھے۔ اس زمانے میں انگریزی نظموں سے استفادے کی ایک تحریک سی چل پڑی تھی۔ جس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اس حوالے سے آزاؔد، اسماعیلؔ میرٹھی، حالیؔ اور نظم طباطبائی وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ ذرا سا آگے چلیں تو عبدالحلیم شرؔر، ضامنؔ کنتوری، سرورؔ جہان آبادی، نادر کاکوروی اور عزیزؔ لکھنوی وغیرہ کے نام آتے ہیں۔

بہر حال انگریزی نظموں کے ترجمے سے اردو شاعری کا میلان نظم کی طرف ہوا۔ اسی احساس نے محمد حسین آزاؔد کو بھی ایک باضابطہ تحریک کی طرف مائل کیا اور انہوں نے پہلے تو اگست ۱۸۶۷ء میں ایک تقریر کی جس کا عنوان تھا ''نظم اور کلامِ موزوں کے باب میں خیالات'' ۔ اس کے بعد ۱۹/اپریل ۱۸۷۴ء میں ایک تقریر کے بعد ''شبِ قدر'' کے عنوان سے ایک نظم مثنوی کی ہیئت میں سنائی۔ اس جلسے میں کی گئی ان کی تقریر کا یہ اقتباس اہم ہے:

''میں نثر کے میدان میں بھی سوار نہیں، پیادہ ہوں اور نظم میں خاک افتادہ مگر سادہ لوحی دیکھو کہ ہر میدان میں دوڑنے کو آمادہ ہوں۔ یہ فقط اس خیال سے ہے کہ میرے وطن کے لئے شاید کوئی کام کی بات نکل آئے۔ میں نے آج کل چند نظمیں مثنوی کے طور پر لکھی ہیں جنہیں نظم کہتے ہوئے شرمندہ ہوتا ہوں اور ایک مثنوی جورات کی حالت میں لکھی ہے، گزارش کرتا ہوں۔''

(مجموعہ نظمِ آزاؔد)

مشہور محقق پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے نظم ''شبِ قدر'' کو نئی شاعری کی پہلی نظم قرار دیا۔ اس کے چند اشعار پیش ہیں:

تو رنگِ حکم ہے جو زمانے پہ پھیرتی گویا کہ مشک اُڑتی ہے عنبر بکھیرتی
اے رات! سلطنت کا تری دیکھ کر حشم کھاتا فلک ہے تاروں بھری رات کی قسم
روشن تجھی سے روے زمیں پر چراغ ہیں اور کھلتے آسماں پہ ستاروں کے باغ ہیں
بجلی ہنسی تو اُس کی تجھی سے بہار ہے شبنم سے تیرا فیضِ کرم آشکار ہے
فرماں جو تیرا ہوتا ہے جاری جہان پر لیتے سب اُس کو آنکھوں پہ ہیں بلکہ جان پر

اس طرح موضوعاتی نظم نگاری کا سلسلہ چل پڑا۔ واضح رہے کہ انجمنِ پنجاب کے پہلے مشاعرے کی مجوّزہ تاریخ ۳۰ مئی ۱۸۷۴ء رکھی گئی جس کا موضوع ''برسات'' طے پایا۔ حالؔی نے اس میں ''برکھارُت'' نظم پیش کی جو جدید نظم کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ اس میں فطری پن اور ربط و تسلسل قائم ہے۔ یہ بھی مثنوی کی ہیئت ہے۔

چند اشعار دیکھیے ۔

گرمی سے تڑپ رہے تھے جان دار اور دھوپ میں تپ رہے تھے کوہسار
بھوبل سے سوا تھا ریگ صحرا اور کھول رہا تھا آب دریا
تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں
تھیں لومڑیاں زباں نکالے اور لُو سے ہرن ہوئے تھے کالے

اس کے بعد برسات کا ماحول تیّار کیا جاتا ہے ۔

کل شام تلک تو تھے یہی طور پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا اک شور ہے آسماں پہ برپا
ہے ابر کی فوج آگے آگے اور پیچھے ہیں دَل کے دَل ہوا کے

حالؔی نے انجمنِ پنجاب کے دس مشاعروں میں سے صرف چار میں شرکت کی۔ ان مشاعروں میں انہوں نے برکھارُت، نشاطِ امید، حبِ وطن اور مناظرۂ رحم و انصاف جیسی خوب صورت نظمیں پیش کیں۔ ان موضوعاتی نظموں کی اہمیت کا اندازہ پروفیسر آل احمد سرورؔ کے اس موقف سے بھی لگایا جا سکتا ہے:

> ''برکھارُت'' اور ''حُبِّ وطن'' سے اردو شاعری میں ایک نئے راگ کا اضافہ ہوتا ہے۔ یہ راگ بالکل نیا تو نہ تھا۔ کیوں کہ اس سے پہلے نظیرؔ اکبر آبادی بھی اسے الاپ چکے تھے۔ مگر ان کی آواز کسی نے بھی نہ سنی۔ حالؔی نے جب یہ نغمہ چھیڑا تو اس کا اثر ہوا اور ان کی اور آزادؔ کی کوششوں سے مقامی رنگ، منظر نگاری، وطن کی محبّت اردو شاعری میں اپنی بہار دکھانے لگی۔''
>
> (مضمون: ہندوستانی ادب میں حالؔی کا درجہ، ماخوذ از تنقیدی اشارے، ۱۹۵۵ء، ص، ۸۰)

نظیر اکبر آبادی کی نظموں کی اہمیت سے ہم آپ چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ آزاد اور حالی سے پہلے انہوں نے موضوعاتی نظمیں کہیں لیکن بغور دیکھا جائے تو یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ آزاد، حالی، اسماعیل میرٹھی، قلق میرٹھی اور نظم طباطبائی وغیرہ کے سامنے انگریزی نظموں کے نمونے تھے۔ ساتھ ہی اس زمانے کے شعری مذاق پر ابتذال پسندی حاوی تھی۔ اس لئے ضرورت تھی باضابطہ تحریک کی۔ موضوعاتی نظمیں تو قلی قطب شاہ اور ملا وجہی نے بھی کہی تھیں لیکن اس وقت یہ مسئلہ قطعی نہیں تھا۔ اس لئے جدید نظم نگاری کے آغاز وارتقا میں آزاد اور حالی کا اہم رول رہا ہے۔

07.08 نمائندہ نظم نگار اور اُن کی نظمیں

﴿۱﴾ نظیر اکبر آبادی — مفلسی، آدمی نامہ، بنجارہ نامہ

﴿۲﴾ محمد حسین آزاد — شبِ قدر، صبحِ اُمید

﴿۳﴾ الطاف حسین حالی — نشاطِ اُمید، برکھا رُت، مناجاتِ بیوہ

﴿۴﴾ اکبر الہ آبادی — فرضی لطیفہ، برقِ کلیسا، دربارِ دہلی

﴿۵﴾ برج نرائن چکبست — رامائن کا آخری سین، خاکِ ہند، حبِ وطن

﴿۶﴾ علامہ اقبال — لالۂ صحرائی، شعاعِ اُمید، ساقی نامہ، ذوق وشوق، لینن خدا کے حضور میں

﴿۷﴾ جوش ملیح آبادی — کسان، جنگل کی شہزادی، شکستِ زنداں کا خواب

﴿۸﴾ میراجی — کلرک کا نغمۂ محبت، جاتری، سمندر کا بلاوا

﴿۹﴾ فیض احمد فیض — تنہائی، صبحِ آزادی، مجھ سے پہلی سی محبت

﴿۱۰﴾ اختر الایمان — ایک لڑکا، پگ ڈنڈی، بازآمد

﴿۱۱﴾ مخدوم محی الدین — چاند تاروں کا بن، حویلی، انقلاب

﴿۱۲﴾ ن.م.راشد — حسن کوزہ گر

﴿۱۳﴾ ساحر لدھیانوی — چکلے، تاج محل، گریز

﴿۱۴﴾ شفیق فاطمہ شعریٰ — بازیابی، بازگشت

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۴﴾ جدید نظم کے آغاز کا سہرا کس کے سر ہے؟

﴿۵﴾ انجمنِ پنجاب کے تحت پہلا مشاعرہ کب ہوا تھا؟

﴿۶﴾ انجمنِ پنجاب کے پہلے مشاعرے کا موضوع کیا تھا؟

07.08 خلاصہ

اس سبق میں نظم کی تعریف اور اس کی خصوصیات پر روشنی ڈالی گئی۔ اب تک آپ کو نظم کی پہچان ہو چکی ہوگی۔ نظم میں ہیئت کے تجربے اور اس میں برتے جانے والے موضوعات پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ جدید نظم کے آغاز یعنی ''انجمنِ پنجاب'' کے تحت محمد حسین آزاد نے جو تحریک شروع کی تھی اس پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ دراصل یہی آغاز ہے جس سے آئندہ چل کر اردو نظم کو نئی آب و تاب نصیب ہو سکی۔ ترقّی پسند تحریک نے اردو نظم کو فروغ دینے میں اہم رول ادا کیا۔ اس سبق میں مختصراً یہی پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

07.09 فرہنگ

انتشار	: بے چینی	دَل	: دستہ، ٹکڑی
تردد	: ہچکچاہٹ	ارتقا	: ترقی، عروج
طبع زاد	: اپنی ایجاد	تسلسل	: تواتر، روانی
اثر انگیز	: اثر کرنے والا	تخصیص	: خاص کرنا
موقف	: نظریہ	کارآمد	: مفید
ابتذال	: کمینہ پن	اُمور	: امر کی جمع، مسائل
میلان	: طبیعت کا جھکاؤ	زمرے	: زمرہ کی جمع، حلقہ، جماعت
ریگ	: بالو، ریت		

07.10 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰۔۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : نظم کی تعریف کیجیے۔

سوال نمبر ۲ : نظم پر ایک مضمون اپنے الفاظ میں لکھیے۔

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰۔۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : نظم کی خصوصیات بیان کیجیے۔

سوال نمبر ۲ : نظم کے موضوعات پر روشنی ڈالیے۔

07.11 حوالہ جاتی کتب

۱۔ نئی نظم اک سفر از کتاب نما (خاص نمبر)

۲۔ نظمِ جدید کی کروٹیں از وزیر آغا

۳۔ جدید نظم: حالی سے میراجی تک از کوثر مظہری

۴۔ اردو شاعری کا فنّی ارتقا از ڈاکٹر فرمان فتح پوری

07.12 اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

﴿۱﴾ ایک ایسا منظوم فن پارہ جس میں ایک مرکزی خیال ہو، تسلسل ہو، ربط ہو، ارتقا اور اختتام ہو، اسے نظم کہتے ہیں۔

﴿۲﴾ شروع میں نظم مسدّس، مثنوی، مخمّس، ترجیع بند، ترکیب بند اور مستزاد وغیرہ ہیئتوں میں کہی جاتی رہی۔ بعد میں پابند ہیئتوں سے آگے بڑھ کر معرا، آزاد اور اب نثری ہیئتوں میں نظمیں کہی جا رہی ہیں۔

﴿۳﴾ نظم کے موضوع کی کوئی تخصیص نہیں ہوتی۔ سماجی مسائل سے لے کر حالاتِ حاضرہ، تحریکِ آزادی سے لے کر عشق و محبت اور جدید حسّیت جیسے موضوعات ہو سکتے ہیں۔

﴿۴﴾ جدید نظم کے آغاز کا سہرا محمّد حسین آزاد کے سر ہے۔

﴿۵﴾ ''انجمنِ پنجاب'' کے تحت پہلا مشاعرہ ۳۰ مئی ۱۸۷۴ء کو ہوا۔

﴿۶﴾ پہلے مشاعرے کا موضوع ''برسات'' تھا۔

اکائی 08 : قطعہ

ساخت

08.01 : اغراض ومقاصد

08.02 : تمہید

08.03 : قطعہ کی تعریف

08.04 : قطعہ کی خصوصیات

08.05 : چند قطعات

08.06 : خلاصہ

08.07 : فرہنگ

08.08 : نمونہ امتحانی سوالات

08.09 : حوالہ جاتی کتب

08.01 اغراض ومقاصد

قطعہ کا بھی اردو شاعری میں ایک اہم مقام ہے جسے بطورِ صنف قبول کیا جا چکا ہے۔ جس طرح آپ دیگر اصنافِ شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اسی طرح قطعہ کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے۔ انسانی زندگی کے حقائق کو جس طرح رباعی میں پیش کیا جاتا ہے اسی طرح قطعہ میں بھی پیش کیا جاتا ہے اور اس کے اثرات بھی انسانی ذہنوں پر مرتّب ہوتے ہیں۔ جب آپ قطعات کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ زندگی اور تہذیبِ انسانی کے کیسے کیسے موضوعات کو قطعات میں پیش کیا جاتا ہے۔

08.02 تمہید

ہر صنف کا ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قطعہ میں ایک ہی مضمون پیش کیا جاتا ہے۔ جس طرح کہ رباعی میں ایک ہی خیال یا مضمون کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ پہلے یہ غزل یا قصیدے میں ضرورت کے مطابق استعمال کیا جاتا تھا۔ اب آپ کے ذہن میں یہ بات ضرور آئی ہوگی کہ قطعہ اور رباعی میں ایک ہی مضمون یا خیال پیش کیا جاتا ہے تو ان دونوں اصناف کے درمیان تمیز کیسے ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ قطعہ میں غزل یا قصیدے کی طرح مطلع کی پابندی نہیں ہے لیکن ردیف وقافیہ کی پابندی کی جاتی ہے۔ اس میں اشعار مسلسل ہوتے ہیں جن کی تعداد کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ ۲۵ رہوتی ہے جب کہ رباعی میں چار مصرعے یعنی دو ہی شعر ہوتے ہیں اور وہ چوبیس مخصوص اوزان میں کہی جاتی ہے۔

08.03 قطعہ کی تعریف

قطعہ کا لغوی معنیٰ ''ٹکڑا'' ہے۔اس میں ایک ہی مضمون بیان کیا جاتا ہے۔اس میں کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ ۲۵/اشعار ہوتے ہیں۔

08.04 قطعہ کی خصوصیات

قطعہ پہلے غزل یا قصیدے میں ضرورت کے مطابق استعمال کیا جاتا تھا۔رفتہ رفتہ اس کی افادیت کو تسلیم کیا گیا اور یہ باقاعدہ علاحدہ علاحدہ لکھا جانے لگا۔قطعہ میں غزل یا قصیدے کی طرح مطلع کی پابندی نہیں ہوتی ہے لیکن ردیف وقافیہ کی پابندی کی جاتی ہے۔اس میں اشعار مسلسل ہوتے ہیں جن کی تعداد کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ ۲۵/ہوتی ہے۔قطعہ میں ہر طرح کے مضامین بیان کیے جاتے ہیں اور تسلسل کا خیال ضرور کیا جاتا ہے۔عام طور پر قطعہ میں اخلاقی اور نصیحت آمیز مضامین بیان کیے جاتے ہیں۔

08.05 چند قطعات

﴿۱﴾

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو! ہم کو غریب جان کے، ہنس ہنس پکار کے
دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اُس کو فلک نے لوٹ کر ویران کر دیا ہم رہنے والے ہیں اُسی اُجڑے دیار کے
(میر تقی میرؔ)

﴿۲﴾

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی!
جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی!
(علامہ اقبالؔ)

﴿۳﴾

رات یوں دل میں تری کھوئی ہوئی یاد آئی جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آ جائے
(فیض احمد فیضؔ)

﴿۴﴾

جانے کب تک تری تصویر نگاہوں میں رہی ہو گئی رات ترے عکس کو تکتے تکتے
میں نے پھر تیرے تصور کے کسی لمحے میں تیری تصویر پہ لب رکھ دیے آہستہ سے
(پروین شاکر)

﴿۵﴾

افطارِ صوم کی کچھ اگر دست گاہ ہو اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے
جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے
(مرزا غالبؔ)

﴿۶﴾

جب کہا میں نے کہ تم بے داد گر، نا آشنا بے مروت، بے وفا، بے گانۂ اسباب ہو
ہنس کے فرمایا کہ میں تو خیر جو کچھ ہوں سو ہوں تم بھی تو بے چین ہو، بے صبر ہو، بے تاب ہو
(مومن خاں مومنؔ)

﴿۷﴾

بے اثر کا نہیں ہوتا کبھی مقبول کلام اور تاثیر وہ شے ہے جسے دیتا ہے خدا
پند نامہ جو کہا داغؔ نے بے کار نہیں کام کا قطعہ ہے، یہ وقت پہ کام آئے گا
(داغ دہلوی)

﴿۸﴾

شکوہ کیا ستم کا تو نم دیدہ ہو گئے تم تو ذرا سی بات پہ رنجیدہ ہو گئے
آئے تھے ہنستے کھیلتے مے خانے میں فراقؔ جب پی چکے شراب تو سنجیدہ ہو گئے
(فراقؔ گورکھ پوری)

﴿۹﴾

ابھی جواں ہے غمِ زندگی کا ہر لمحہ دھڑک رہا ہے دلِ بے قرار کی صورت
حسین و شوخ ہے مستقبلِ بشر کا خیال کسی تبسمِ بے اختیار کی صورت
(علی سردار جعفری)

﴿۱۰﴾

دنیا سے نظر پھیر، لگا دھیان، اِدھر دیکھ یہ کس کے خد و خال ہیں؟ پہچان، اِدھر دیکھ
کیا سوچ کے چھوڑا تھا کہ مر جاؤں بچھڑ کر؟ میں آج بھی زندہ ہوں مری جان! اِدھر دیکھ
(سحرؔ بلرام پوری)

﴿۱۱﴾

ساقیا! ایک جام ہو جائے شیخ صاحب کے نام ہو جائے
یہ پئیں تو حلال رہتی ہے ہم پئیں تو حرام ہو جائے؟
(سحرؔ بلرام پوری)

08.06 خلاصہ

اس اکائی میں قطعہکے متعلق معلومات اوراس کی خصوصیات پیش کی گئی ہیں اوراس کے ساتھ ہی چندشعرا کے قطعات پیش کیے گئے ہیں۔قطعہ میں ہرطرح کے مضامین پیش کیے جاتے ہیں۔ پہلے غزل یاقصیدے میں ضرورت کے مطابق قطعہ کا استعمال کیا جاتا تھا۔رفتہ رفتہ اس کی افادیت کوتسلیم کیا گیااور یہ باقاعدہ علاحدہ علاحدہ لکھا جانے لگا۔قطعہ میں غزل یاقصیدے کی طرح مطلع کی پابندی نہیں ہوتی ہےلیکن ردیف وقافیہ کی پابندی کی جاتی ہے۔اس میں اشعار مسلسل ہوتے ہیں جن کی تعدادکم سے کم دواورزیادہ سے زیادہ ۲۵ رہوتی ہے۔قطعہ میں تسلسل کا خیال ضرور رکھا جاتا ہے۔عام طور پرقطعہ میں اخلاقی اورنصیحت آمیز مضامین بیان کیے جاتے ہیں۔

08.07 فرہنگ

افادیت : فائدہ
بادِنسیم : نرم ہوا کا جھونکا
بادہ کش : شرابی
بودوباش : رہن سہن
بےتاب : بےقرار
بےدادگر : ظالم
بےگانہ : اجنبی
بےمروت : بےرحم
پابندی : التزام،لازم
پندنامہ : نصیحت سے بھرا ہوا خط یا کوئی نثر و شاعری کا ٹکڑا
تاثیر : اثر
تصور : خیال
تمیز : پہچان
حرفِ علت : ا،و،ی
خدوخال : چہرہ مہرہ،شکل وصورت
ردیف : شعر کے آخر میں آنے والے مستقل الفاظ
ساکنو! : رہنے والو!
صوم : روزہ
طبع آزمائی : شعر کہنا،مشق
قافیہ : شعر کے آخر میں آنے والے ہم آواز الفاظ
گنجلک : پیچیدگی،اُلجھاؤ
مالامال کرنا : ادبی اثاثہ میں اضافہ کرنا
مدِنظر : کسی شے یا اصول کا ذہن میں رکھنا
ناآشنا : ناواقف
ناچار : مجبوراً
نصیحت آمیز : نصیحت سکھانے والی
ہدایت : صلاح،مشورہ

08.08 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰۔۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : قطعہ کی تعریف کیجیے اور ایک قطعہ تحریر کیجیے؟

سوال نمبر۲ : کسی بھی شاعر کے دو قطعات رقم کیجیے؟

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰۔۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : کسی بھی شاعر کے تین قطعات لکھ کر ان کی تشریح کیجیے؟

08.09 حوالہ جاتی کتب

۱۔ اردو قطعات نگاری کا آغاز وارتقا از عابدہ آفریدی

۲۔ فنِ شاعری اور حسّان الہند از علامہ عبدالستار ہمدانی

۳۔ حدائقِ بخشش از امام احمد رضا خان فاضلِ بریلی

۴۔ اُردو میں قطعہ نگاری از خواجہ محمد زکریا

✵

بلاک نمبر 02

اکائی 09 داستان

اکائی 10 ناول

اکائی 11 افسانہ

اکائی 12 ڈرامے

اکائی 09 : داستان

ساخت

09.01 : اغراض ومقاصد
09.02 : تمہید
09.03 : داستان کی تعریف
09.04 : داستان گوئی کی روایت
09.05 : داستانوں کی اشاعت
09.06 : اردو کی طویل اور مختصر داستانیں
09.07 : نمائندہ داستان گو اور اُن کی داستانیں
09.08 : داستان کی زبان
09.09 : خلاصہ
09.10 : فرہنگ
09.11 : نمونہ امتحانی سوالات
09.12 : حوالہ جاتی کتب
09.13 : اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

09.01 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں داستان کی تعریف، داستان کی فنی خصوصیات، داستان گوئی، داستان نویسی کی مختصر تاریخ اور طویل ومختصر داستانوں کی ادبی وتاریخی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ داستان کے بارے میں ضروری معلومات اختصار کے ساتھ پیش کردی جائیں۔ توقع کی جاتی ہے کہ اس سے داستان کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور اس صنف کے فنی پہلو روشن ہوں گے پھر جب آپ داستان پڑھیں گے تو اس کے مطالعے سے مسرت بھی حاصل ہوگی اور بصیرت بھی۔

09.02 تمہید

داستان کسے کہتے ہیں؟ داستانیں کس طرح سنی اور سنائی جاتی تھیں؟ داستان گو کن باتوں کا خیال رکھتے تھے؟ داستانیں لکھنے اور چھاپنے کا سلسلہ کب شروع ہوا؟ اُردو کی طویل اور مختصر داستانوں سے کیا مراد ہے؟ ان کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں؟ آج کے طلبا کے لئے داستان کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟ اس اکائی میں ان تمام باتوں کا ذکر کیا جائے گا۔ سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ داستان کہتے کسے ہیں؟

09.03 داستان کی تعریف

داستان ایک قدیم صنفِ ادب ہے۔ یہ قصّے کہانی کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ قصّے کہانی کے مقابلے میں یہ طویل بھی ہوتی ہے اور کسی قدر پیچیدہ بھی۔ اس میں ''قصّہ درقصّہ'' کی تکنیک اختیار کی جاتی ہے۔ یعنی قصّے میں سے قصّہ نکلتا چلا جاتا ہے اور داستان شاخ در شاخ پھیلتی چلی جاتی ہے۔

داستان کا دل چسپ ہونا بے حد ضروری ہے۔ ورنہ اتنے طویل قصے کو سنتے سنتے لوگ اُکتا جائیں گے۔ داستان میں دل چسپی پیدا کرنے کے لئے طرح طرح کی ترکیبیں استعمال کی جاتی ہیں۔ ہمیشہ دور دیس کی کہانی اور پچھلے زمانے کی باتیں سنائی جاتی ہیں۔ اس طرح داستان کی حیرت انگیز باتوں کو قابلِ قبول بنانے کی گنجائش پیدا کی جاتی ہے۔ جب قصّہ کسی اجنبی ملک اور پرانے زمانے کا ہو تو اسے کوئی اپنے مشاہدے اور تجربے کی کسوٹی پر کیسے پرکھ سکتا ہے۔ بس سنیے اور مزے لیجیے۔

داستان میں دل چسپی کے اور بھی بہت سے عناصر ہیں: نئے نئے لوگ، عجیب وغریب مخلوقات، عقل کو حیران کر دینے والے معاملات اور تخیل کی مدد سے پیش کیے گئے حیرت انگیز واقعات وغیرہ وغیرہ۔ ان باتوں کا روزمرّہ کی حقیقی زندگی سے متعلق ہونا ضروری نہیں۔

داستان کی انوکھی دُنیا میں انسان بھی ہوتے ہیں اور جن، دیو اور پریاں بھی۔ ہمارے آس پاس کا ماحول بھی ہوتا ہے اور پرستان کی خواب ناک فضا بھی۔ جادو کی زمین، جادو کے باغ، جادو کے محل، جادو کے نوکر چاکر، سونے کے پہاڑ، کل کا گھوڑا، آدمیوں کی طرح باتیں کرنے والے جانور۔ داستان میں اگر یہ سب نہ ہوں تو پھر ہم اسے داستان کیوں کہیں! یہی وہ چیزیں ہیں جو زمانۂ قدیم میں دن بھر کے تھکے ہارے ذہنوں کو سکون بخشتی تھیں۔ سننے والے ایک نئی دل چسپ اور انوکھی دنیا میں کھو جاتے تھے۔

رات میں محفل سجتی، لوگ اکٹھے ہوتے اور داستان گو داستان سنانا شروع کر دیتا۔ گھنٹوں بعد محفل ختم ہوتی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے۔ دوسرے دن پھر سامعین جمع ہوتے اور داستان دوبارہ شروع ہو جاتی۔

سچ پوچھیے تو داستان ''کہنے'' کا ہی فن ہے۔ اسے لکھ کر شائع کرنے کی نوبت تو بہت بعد میں آئی۔ لکھی ہوئی داستانوں کو بھی غور سے پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ کوئی داستان گو بیٹھا سنا رہا ہے۔ ایک ایک بات تفصیل سے بیان کی جا رہی ہے اور موقع موقع سے سامعین کو مخاطب بھی کیا جا رہا ہے۔ کوئی بھی مطبوعہ داستان اُٹھا کر پڑھیے، آپ کو اس طرح کے جملے ضرور ملیں گے جن سے احساس ہوگا کہ ہم داستان پڑھ نہیں بلکہ سن رہے ہیں۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱﴾ داستان میں کون سی تکنیک اختیار کی جاتی ہے؟

﴿۲﴾ داستان کا دل چسپ ہونا کیوں ضروری ہے؟

﴿۳﴾ داستان میں دل چسپی کے کون کون سے عناصر ہیں؟

﴿۴﴾ داستان میں کسی اجنبی ملک یا قدیم زمانے کا قصّہ کیوں بیان کیا جاتا ہے؟

﴿۵﴾ داستان کا تعلق حقیقی دنیا سے ہوتا ہے یا تخیّلی دنیا سے؟

﴿۶﴾ داستان ''لکھنے کا فن'' ہے یا ''کہنے'' کا؟

09.04 داستان گوئی کی روایت

قصّے سُننا اور سُنانا انسان کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ زمانۂ قدیم میں دُنیا کے تقریباً تمام ممالک میں اس کا چلن تھا۔ داستان بھی قصّے کہانی کی ہی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ ماضی میں داستان سرائی کی ایک طویل روایت رہی ہے۔

اُردو میں مطبوعہ شکل میں جو داستانیں ہمارے سامنے ہیں، ان میں سے بہت سی فارسی سے ترجمہ شدہ ہیں اور متعدد ایسی بھی ہیں جن کا مرکزی خیال تو فارسی سے لیا گیا ہے لیکن تراشے گئے واقعات ہمارے داستان گویوں کے تخیل کا نتیجہ ہیں۔

ہندوستان میں اٹھارہویں اور اُنیسویں صدی میں دہلی، لکھنؤ اور رام پور میں داستان گوئی زوروں پر تھی۔ داستان گویوں کو شاہی سرپرستی حاصل تھی۔ اُمرا، نوّابین اور عوام داستان سننے کے مشتاق تھے۔ داستانوں کی مقبولیت کے پیشِ نظر بعض داستان گویوں نے داستانوں کو قلم بند کرنا شروع کیا۔ بعضوں نے فارسی کی مقبول داستانوں کے ترجمے کیے۔ کسی نے طبع زاد داستانیں لکھیں۔ نوابوں اور اُمرا نے بھی داستان گویوں سے فرمائش کر کے داستانیں لکھوائیں۔ چنانچہ دہلی، لکھنؤ اور رام پور میں بہت سی چھوٹی بڑی داستانیں تیار ہو گئیں۔

09.05 داستانوں کی اشاعت

۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا تو درسی ضرورتوں تحت گل کرسٹ نے کتابیں لکھوائیں۔ زیادہ تر کتابیں قصّے کہانیوں کی تھیں۔ ان میں میر امّنؔ کی ''باغ و بہار'' اور حیدر بخش حیدریؔ کی ''آرائشِ محفل'' (قصّہ حاتم طائی) جیسی مشہور داستانیں بھی ہیں۔

انیسویں صدی کے اوائل میں فورٹ ولیم کالج سے باہر بھی بہت سی داستانیں لکھی گئیں۔ ان میں مرزا رجب علی بیگ سرورؔ کی داستان ''فسانۂ عجائب'' بے حد مشہور ہوئی۔

داستانوں کی مقبولیت کو دیکھ کر اس زمانے کے مشہور پبلشر منشی نول کشور نے بڑے پیمانے پر داستانوں کی اشاعت کا منصوبہ بنایا۔ ان کے مطبع سے شائع ہونے والی داستانوں میں مختصر داستانیں بھی تھیں اور ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی طویل داستانیں بھی۔ طویل داستانوں میں ''طلسمِ ہوش ربا'' کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

طویل اور مختصر داستانوں کا انیسویں صدی کے آخر تک بڑا زور رہا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں بھی داستانیں شائع ہوئیں لیکن حالات بدل چکے تھے۔ مغرب کے اثر سے لوگوں کے مذاق میں تبدیلی آ رہی تھی۔ انیسویں صدی کے اواخر میں ایک نئی صنف ''ناول'' کا اردو میں آغاز ہو چکا تھا۔ بیسویں صدی میں داستان کے مقابلے میں ناول کی مقبولیت روز بروز بڑھتی چلی گئی۔ تاہم ماضی کی ایک اہم صنف کی حیثیت سے آج بھی داستان ہمارے تعلیمی نصاب کا حصّہ ہے۔ اب داستانیں نہیں لکھی جا رہی ہیں لیکن قدیم داستانوں کے نئے ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں اور شوق سے پڑھے جا رہے ہیں۔ حال ہی میں مشہور محقّق رشید حسن خاں نے ''باغ و بہار'' اور ''فسانۂ عجائب'' کو نہایت محنت سے مرتّب کر کے شائع کرایا ہے۔ ڈاکٹر قمر الہدیٰ فریدی کی مرتبہ ''باغ و بہار اور طلسمِ ہوش رُبا اور تنقید و تلخیص'' بھی اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ دَورِ حاضر میں ان کتابوں کی اشاعت اس بات کا ثبوت ہے کہ داستانوں سے لوگوں کی دل چسپی آج بھی برقرار ہے۔

09.06 اُردو کی طویل اور مختصر داستانیں

فی الحال مطبوعہ شکل میں ضخامت کے لحاظ سے دو طرح کی داستانیں ہمارے سامنے ہیں۔ بعض سَو، دوسَو اور تین سَو صفحات پر مشتمل ہیں جو مختصر داستانیں کہتے ہیں۔ ''باغ و بہار''، ''فسانۂ عجائب''، ''آرائشِ محفل'' وغیرہ مختصر داستانیں ہیں لیکن بہت سی ایسی داستانیں بھی ہیں جو ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ مثلاً ''داستانِ امیر حمزہ'' اور ''بوستانِ خیال'' وغیرہ۔ ''داستان امیرِ حمزہ'' ۴۶ رجلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا سب سے مشہور سلسلہ ''طلسمِ ہوش رُبا'' ہے۔ یہ بھی کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ سب اُردو کی طویل داستانیں ہیں۔

طویل داستانوں میں بعض چیزیں اپنے نقطۂ عروج پر نظر آتی ہیں۔ مثلاً عیاری، ساحری، طلسم، حیرت انگیز واقعات، مافوق الفطرت عناصر اور عجیب و غریب مخلوقات وغیرہ۔ مختصر داستانوں میں عام طور سے عیاری اور طلسم کا اہتمام نظر نہیں آتا ہے۔

09.07 نمائندہ داستان گو اور اُن کی داستانیں

﴿۱﴾ ملا وجہی (سب رَس)

﴿۲﴾ فضل علی خاں فضلی (کربل کتھا)

﴿۳﴾ انشاءاللہ خاں انشا (رانی کیتکی کی کہانی)

﴿۴﴾ میر اَمّن (باغ و بہار)

﴿۵﴾ رجب علی بیگ سُرور (فسانۂ عجائب)

﴿۶﴾ میر محمد تقی خیال (بوستانِ خیال)

﴿۷﴾ حیدر بخش حیدری (آرائشِ محفل)

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۷﴾ ہندوستان میں داستان گوئی کس زمانے میں عروج پر تھی؟

﴿۸﴾ کن شہروں میں داستان سُننے سنانے کا زیادہ رواج تھا؟

﴿۹﴾ ''باغ و بہار'' اور ''آرائشِ محفل'' جیسی داستانیں کس ادارے میں تیار ہوئیں؟

﴿۱۰﴾ انیسویں صدی کے اوائل میں فورٹ ولیم کالج سے باہر لکھی گئی داستانوں میں سب سے مشہور داستان کون سی ہے؟

﴿۱۱﴾ لکھنؤ کے کس پبلشر نے داستانیں لکھوا کر شائع کیں؟

﴿۱۲﴾ اُردو کی بعض اہم داستانیں کون سی ہیں؟

﴿۱۳﴾ اُردو کی مشہور طویل داستانیں کون کون سی ہیں؟

﴿۱۴﴾ ''داستانِ امیر حمزہ'' کتنی جلدوں پر مشتمل ہے؟

﴿۱۵﴾ ''طلسمِ ہوش رُبا'' مختصر داستان ہے یا طویل داستانی سلسلہ؟

﴿۱۶﴾ طویل داستانوں کے مقابلے میں مختصر داستانوں میں کن باتوں کا اہتمام نظر آتا ہے؟

09.08 داستان کی زبان

داستان کی زبان قدیم ہے۔عربی فارسی کے بعض مشکل الفاظ اور اجنبی محاوروں کی وجہ سے ممکن ہے کہ شروع میں اسے پڑھنے میں آپ کو پریشانی ہو لیکن مشکل الفاظ ومحاورات کے معنی لغت سے آپ معلوم کرلیں تو پھر وہی پرانی زبان ایک نیا مزہ دیتی ہے۔''باغ وبہار، آرائشِ محفل یا طلسمِ ہوش ربا'' کی کوئی جلد ایک بار اُٹھا کر پڑھنا شروع کیجیے تو ختم کیے بغیر کتاب ہاتھ سے رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔قصّہ بھی دل چسپ اور طرزِ بیان بھی دل نشیں۔قصّے کا مزہ تو تب معلوم ہوگا جب آپ کسی داستان کا مطالعہ کریں گے۔فی الحال درج ذیل اقتباسات پڑھیے اور داستان کی زبان کا لطف اٹھائیے۔جن کتابوں سے یہ جملے لیے گئے ہیں،قوسین میں ان کی نشان دہی کردی گئی ہے:

''اب آغاز قصّے کا کرتا ہوں، ذرا کان دھر کر سنو اور منصفی کرو۔سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے اور کہنے والے نے کہا ہے کہ آگے روم کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت اس کی ذات میں تھی۔''

(باغ وبہار،مرتبہ:قمرالہدیٰ فریدی،ص۳۶)

''غرض نوشہ سوار ہوا،شور وغل یک بار ہوا۔کسی نے کہا:سواری جلد لانا!کوئی پٹکا شملہ سنبھال خدمت گار کو پکارا کہ ہاتھی بٹھانا۔''

(فسانۂ عجائب۔مرتبہ:رشید حسن خاں،ص۱۴۰)

''بابا میں تمہارے بھلے کو کہتی ہوں۔منگنی تمہاری ہوگئی ہے۔اب تم پرائے گھر کی ہو،دولہا تمہارا جو سُنے گا تو کیا کہے گا۔گھر سے کہیں جایا نہ کرو۔یہی سیر تماشا کیا کم ہے۔جو چاہو وہ سب سامری کی عنایت سے موجود ہو جائے۔''

(طلسمِ ہوش ربا:تنقید وتلخیص۔جلد اول،مرتبہ:قمرالہدیٰ فریدی،ص۱۴۹)

ماضی میں نثر کا اتنا وسیع استعمال داستان سے قبل نہیں ہوا۔اس صنفِ ادب کی بدولت تشبیہات واستعارات، ہزاروں الفاظ و تراکیب، دہلی اور لکھنؤ کی زبان،طرزِ بیان اور قدیم محاورے ہمارے ادب کا حصّہ بنے۔نثر کو فروغ حاصل ہوا۔معاصر تہذیب ومعاشرت کی عکاسی کی وجہ سے داستان کی تاریخی اہمیت بھی ہے۔المختصر داستانیں ہماری زبان کا بیش بہا سرمایہ ہونے کے ساتھ ساتھ ماضی کی تہذیب و معاشرت کی آئینہ دار بھی ہیں۔

09.09 خلاصہ

عام طور سے لکھ کر یا بول کر اپنی بات دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔یعنی تحریر اور تقریر اظہارِ خیال کے دو طریقے ہیں۔دونوں کے اپنے اپنے آداب اور تقاضے ہیں۔تحریر میں جن باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے،ضروری نہیں کہ بولتے وقت بھی وہی باتیں ہمارے پیشِ نظر ہوں۔

داستان اصل میں ''کہنے کا فن'' ہے۔یعنی یہ ایک ایسی صنف ہے جس کا تعلق ''زبانی بیانیہ'' سے ہے۔زبانی بیانیہ کا مطلب ہے،ایسا بیان جس میں تحریر کے اصولوں کے بجائے ''کہنے اور سننے'' کے تقاضوں کا خیال رکھا جائے۔

زمانۂ قدیم میں داستان سنائی جاتی تھی۔ پھر یہ خیال ہوا کہ اگر اسے لکھ کر پیش کیا جائے تو زیادہ لوگوں تک پہنچے گی۔ چناں چہ داستان گو داستانیں قلم بند کرنے لگے۔ بعض نے اپنی مرضی سے، بعض نے سرپرستوں کی فرمائش سے اور کسی نے پبلشر کے تقاضے سے یہ کام کیا۔ بہر حال داستانیں لکھیں گئیں اور شائع بھی ہوئیں لیکن تحریری شکل میں آجانے کے باوجود داستان کا ''سننے اور کہنے والا مزاج'' برقرار رہا۔

باغ و بہار، فسانۂ عجائب اور آرائشِ محفل (قصّہ حاتم طائی) وغیرہ اہم مختصر داستانیں ہیں۔ طلسمِ ہوش رُبا اور بوستانِ خیال وغیرہ طویل داستانیں ہیں۔ داستانیں ہمارے ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ہماری تہذیب و معاشرت سے متعلق ہزاروں الفاظ و محاورات ان میں محفوظ ہیں۔ جشن و جلوس، میلے ٹھیلے اور تقریبات کی تفصیلات کی وجہ سے داستان کی تہذیبی اور تاریخی اہمیت بھی ہے۔

داستان کا مطالعہ کرتے وقت یہ نقطہ ہمارے ذہن میں رہنا چاہیے کہ داستان ایک فن ہے۔ اس کے اپنے تقاضے ہیں۔ یہ تخیل کی دنیا ہے۔ اسے عقل کی کسوٹی پر جانچنا مناسب نہیں۔

اس اِکائی میں آپ نے داستان کے فن، داستان کے دورِ عروج، طویل اور مختصر داستانوں کی خصوصیات، مافوق الفطرت عناصر اور داستان کی ادبی و تہذیبی قدر و قیمت سے واقفیت حاصل کی۔ آپ نے یہ بھی جانا کہ داستان کو داستان کے فنی تقاضوں کی روشنی میں ہی سمجھا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ امید کی جاتی ہے آپ کو اس اکائی سے کافی معلومات حاصل ہوئی ہوں ہوگی۔

09.10 فرہنگ

اختصار : مختصر کہنا۔ خلاصہ کرنا۔ بہت سے مطلب کو تھوڑے لفظوں میں ظاہر کرنا۔

اسالیب : اسلوب کی جمع۔ طرز۔

استعارات : استعارہ کی جمع۔ علمِ بیان کی اصطلاح میں حقیقی اور مجازی معنی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہونا۔ تشبیہ میں ایک چیز سے دوسری چیز کی مثال دی جاتی ہے جب کہ استعارے میں کسی مشترک خصوصیت کی بنا پر اس کو وہی چیز مان لیتے ہیں۔

اقتباسات : اقتباس کی جمع۔ کسی اور کے کلام یا جملوں کا انتخاب کر کے اپنی تحریر میں پیش کرنا۔

امتیازات : امتیاز کی جمع۔ فرق، شناخت۔ تمیز، پہچان۔

امرا : امیر کی جمع۔ دولت مند۔ ارا کینِ سلطنت۔

اواخر : آخر کی جمع۔ پچھلے حصّے۔

دبستان : مکتب۔ اسکول۔

رسائل : رسالہ کی جمع۔ کتابچے۔

ساحری : جادوگری۔

سامعین : سامع کی جمع سُننے والے۔

سخاوت : بخشش۔ عطا۔

سرگرم : گرم جوشی کے ساتھ کسی کام میں مشغول ہونا۔

سرمایہ : اصل رقم جو کسی تجارت میں لگائی جائے۔

شملہ : عمامہ کا سرا جو پیچھے لٹکتا ہے۔ ایک چھوٹی شال۔

طلسم : حیرت میں ڈالنے والی بات۔

کسوٹی : وہ سیاہ پتھر جس پر سونے کی اصلیت جانچتے ہیں۔ مجازاً جانچ۔ پرکھ۔

لطافت : نرمی۔ تازگی۔ پاکیزگی۔

لطف : خوبی۔ تازگی۔

مافوق الفطرت : فطرت سے اوپر۔ غیر مادی۔

اوائل	: اوّل کی جمع آغاز۔	متوسط طبقہ	: درمیانی طبقہ۔
بزم	: عیش ونشاط کی محفل۔خوشی کی محفل۔	محاورہ	: بول چال۔بات چیت۔
پبلشر	: ناشر۔شائع کرنے والا۔	مخلوقات	: مخلوق کی جمع۔اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں۔
تخیل	: خیال۔	مشتاق	: خواہش مند۔آرزومند۔
تشبیہات	: تشبیہ کی جمع۔کسی چیز کے بارے میں کسی دوسری چیز کے ذریعے مثال دینا۔مشابہت تلاش کرنا۔	مشتمل	: شامل۔شریک۔
		مطبع	: چھاپہ خانہ۔پریس۔
		مطبوعہ	: چھپا ہوا۔طبع کیا ہوا۔
خمیر	: سرشت،افتادمزاج،طبیعت	معاشرت	: آپس میں مل جل کر زندگی بسر کرنا۔
داستان گو	: قصّہ خواں۔وہ شخص کہ قصّہ سنانا جس کا پیشہ ہو۔	ممکنہ	: جس کے واقع ہونے کا امکان ہو۔
		منصفی	: انصاف۔

09.11 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰۔۱۰رسطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : داستان گوئی کی روایت پر روشنی ڈالیں۔

سوال نمبر۲ : داستانوں کے اشاعت کا سلسلہ کب اور کیسے شروع ہوا؟

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰۔۳۰رسطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : داستان کسے کہتے ہیں؟

سوال نمبر۲ : داستان کی تعریف اور اس کی خصوصیات واضح کیجیے۔

09.12 حوالہ جاتی کتب

۱۔ اردو زبان اور فنِ داستان گوئی از پروفیسر کلیم الدین احمد

۲۔ ہماری داستانیں از وقار عظیم

۳۔ اردو کی نثری داستانیں از ڈاکٹر گیان چند

09.13 اپنے مطالعے کی جانچ کے جوابات

﴿۱﴾ داستان میں ''قصّہ درقصّہ'' کی تکنیک اختیار کی جاتی ہے۔

﴿۲﴾ داستان طویل ہوتی ہے۔اس لئے اس کا دل چسپ ہونا بے حد ضروری ہے۔ورنہ طویل بیان سے اُکتاہٹ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔داستان کا دل چسپ ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ دل بہلانے کا ذریعے ہے۔

﴿۳﴾ داستان میں دل چسپی کے بہت سے عناصر ہیں۔ مثلاً نئے نئے لوگ، عجیب وغریب مخلوقات، عقل کو حیران کر دینے والی باتیں اور تخیل کی مدد سے پیش کیے گئے حیرت انگیز واقعات وغیرہ۔

﴿۴﴾ داستان میں ''دور دیس'' یا قدیم زمانے کا قصّہ اس لئے بیان کیا جاتا ہے کہ سُننے والے کی دل چسپی میں اضافہ ہو اور داستان کی حیرت انگیز باتوں کو ماننے میں ہچکچاہٹ نہ ہو۔

﴿۵﴾ داستان کا تعلق تخیّلی دنیا سے ہوتا ہے۔

﴿۶﴾ داستان ''کہنے کا فن'' ہے۔

﴿۷﴾ ہندوستان میں داستان گوئی اٹھارہویں اور اُنیسویں صدی میں عروج پر تھی۔

﴿۸﴾ دہلی، لکھنؤ اور رام پور وغیرہ میں داستان سُننے سُنانے کا زیادہ رواج تھا۔

﴿۹﴾ ''باغ و بہار'' اور ''آرائشِ محفل'' فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں تیار ہوئیں۔

﴿۱۰﴾ انیسویں صدی کے اوائل میں فورٹ ولیم کالج سے باہر لکھی گئی سب سے مشہور داستان ''فسانۂ عجائب'' ہے۔

﴿۱۱﴾ منشی نول کشور نے بہت سی داستانیں لکھوا کر شائع کیں۔

﴿۱۲﴾ ''باغ و بہار''، ''فسانۂ عجائب'' اور ''آرایشِ محفل'' (قصہ حاتم طائی) اردو کی مشہور مختصر داستانیں ہیں۔

﴿۱۳﴾ ''داستانِ امیر حمزہ'' اور ''بوستانِ خیال'' اردو کی طویل داستانیں ہیں۔

﴿۱۴﴾ ''داستانِ امیر حمزہ'' چالیس جلدوں پر مشتمل ہے۔

﴿۱۵﴾ ''طلسمِ ہوش رُبا'' طویل داستانی سلسلہ ہے۔ اسے داستانی سلسلہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا قصّہ کئی جلدوں اور ہزاروں صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

﴿۱۶﴾ مختصر داستانوں میں عموماً طلسم اور عیاری کا اہتمام نظر نہیں آتا۔

اکائی 10 : ناول

ساخت

10.01 : اغراض ومقاصد
10.02 : تمہید
10.03 : ناول کی تعریف
10.04 : ناول کے اجزاے ترکیبی
10.05 : نمائندہ ناول نگار اور اُن کے ناول
10.06 : خلاصہ
10.07 : فرہنگ
10.08 : نمونہ امتحانی سوالات
10.09 : حوالہ جاتی کتب

10.01 اغراض ومقاصد

داستان اور افسانے کی طرح ناول کا شمار بھی افسانوی ادب میں کیا جاتا ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ ادب کا ہر طالبِ علم اس صنف کے خدوخال اور اُس کے آغاز وارتقا سے بخوبی واقف ہو۔اِنہی اغراض ومقاصد کے تحت اس اکائی کے ذریعے اُردو ناول کا جائزہ لیا جائے گا۔

10.02 تمہید

آپ بخوبی واقف ہیں کہ ناول ایک دل چسپ ،لطیف اور مقبول نثری صنف ہے۔ یہ داستان کی ترقّی یافتہ شکل ہے اور اس کا شمار جدید اصناف میں کیا جاتا ہے۔کسی بھی صنفِ ادب کو سمجھنے کے لئے اُس کے آغاز سے واقفیت ضروری ہے۔اس اکائی میں ناول کی تعریف اور اس کے اجزاے ترکیبی کو بیان کیا گیا ہے۔

10.03 ناول کی تعریف

ناول اطالوی زبان کا لفظ ہے جس کی شکل ناویلا(NOVELLA) ہے۔ناویلا کا معنی ہے ''نیا''۔انگریزی میں اسے ناول(NOVEL) کہا جانے لگا اور اب ادب کی ایک خاص صنف کو ناول کہا جاتا ہے۔ یہ صنف انگریزی کے ذریعے اُردو میں اُس وقت داخل ہوئی جب انگریزی کے نثری ادب میں اس کی روایت پختہ ہو چکی تھی لیکن اٹلی والے نثر اور نظم میں بیان کیے گئے روزمرّہ کی زندگی میں مسلسل اور مربوط انداز کے واقعات کو ناویلا کہتے تھے۔ جب پرانے انداز کے فرضی یا خیالی قصّوں کے بجائے حقیقی زندگی کو منعکس کرنے والے قصّے تخلیق کیے گئے تو اُسے ''ناویلا'' یا ''ناول'' یا ''نیا'' کے نام سے منسوب کیا گیا۔

اگر چہ دیگر اصناف کی طرح ناول کی جامع اور مکمّل تعریف نہیں کی جاسکتی پھر بھی موضوع کے اعتبار سے ناول کو ایک ایسا صنعتی قصّہ کہا گیا ہے جس میں صنعتی عہد کے پس منظر میں فرد اور سماج کی کش مکش کو پیش کیا جاتا ہے۔ یہ تعریف کسی حد تک یوروپ کے ناولوں پر صادق آسکتی ہے جہاں صنعتی انقلاب کے بعد فرد اور سماج کی کش مکش کے آثار پہلی جنگِ عظیم کے بعد رونما ہونے لگے تھے۔

ناول کی تعریف دانش وَروں، اُدَبا اور ناقدینِ فن نے اپنے اپنے طور پر کی ہے۔

ڈینیل ڈیفو کو انگریزی ناول کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے۔ اُس کے مطابق ناول میں حقیقت نگاری اور درسِ اخلاق کا ہونا ضروری ہے۔

فیلڈنگ ناول کو وقت گزاری اور لطف اندوزی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

اِسٹیونسن کے نزدیک ناول کا مقصد زندگی کے خاص پہلو یا نقطۂ نظر کی وضاحت کرنا ہے۔

انگریزی زبان کی ادیبہ کلارا ریوز کا خیال ہے کہ ناول اُس عہد کی زندگی اور معاشرت کی سچّی تصویر ہے جس عہد میں وہ تخلیق کیا جائے۔

ایچ.جی.ویلز کہتا ہے کہ اچھّے ناول کی پہچان حقیقی زندگی کی پیش کش ہے۔

سروالٹر رے نے حقیقت نگاری کے ساتھ روزمرّہ کی زندگی کو ناول کا موضوع قرار دیا ہے۔

پروفیسر بیکر نے ناول کو ادب کی نثری صنف قرار دیتے ہوئے زندگی کی ایسی تصویر پیش کرنے کی وکالت کی ہے جس میں کوئی مربوط قصّہ بیان کیا گیا ہو۔

دراصل ناول میں حقیقت نگاری کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ ہر واقعہ، منظر یا حالت کو ایسے فطری انداز میں بیان کیا جائے کہ حکایت پر حقیقت کا گمان ہو اور قاری اس فریب میں مبتلا ہو جائے کہ ہر فرضی یا خیالی واقعے کو حقیقی سمجھنے لگے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ناول زندگی کی تصویر کشی کا فن ہے جس میں حقیقت کو تخلیق کے روپ میں ڈھالا جاتا ہے یا تخلیق کو حقیقت کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

چند الفاظ میں ناول کی تعریف اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ ایسے نثری قصّہ کو جو حقیقت نگاری کا حامل ہوتے ہوئے واقعی حالاتِ انسانی کا آئینہ دار ہو، اُسے عام گفتگو میں اور ادبی تنقید میں نمایاں طور پر ناول کہا جاسکتا ہے۔

10.04 ناول کے اجزاے ترکیبی

قصیدہ، مرثیہ اور ادب کی دیگر اصناف کی طرح ناول کے لئے بھی کچھ اجزاے ترکیبی ضروری ہیں۔ اگر چہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ناول مقررہ اجزاے ترکیبی کی روشنی میں تخلیق کیا جائے مگر بیش تر ناولوں میں جو اجزاے ترکیبی نظر آتے ہیں اُن میں قصّہ، پلاٹ، کردار نگاری، مکالمہ نگاری، منظر نگاری اور نقطۂ نظر نہایت اہم ہیں۔

آپ اُردو ناول کے آغاز وارتقا کے ساتھ ناول کے مقررہ اجزاے ترکیبی سے بھی واقف ہو جائیں اس لئے مختصر طور پر ان اجزا کا تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

قصّہ: قصّہ، ناول کا ایک اہم جزو ہے جس کے بغیر ناول تخلیق نہیں کیا جاسکتا۔ قصّہ وہ بنیادی چیز ہے جو داستان اور افسانے کی طرح ناول میں بھی ضروری ہے۔ ناول نگار جب کسی واقعے، حادثے یا قصے سے متاثر ہوتا ہے تو وہ اُسے ناول کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔ ناول کے قصّے کو مافوق الفطرت یعنی غیر فطری نہیں ہونا چاہیے بلکہ قاری کو یہ محسوس ہو کہ وہ جس قصّے کو پڑھ رہا ہے وہ بالکل

حقیقی ہے یعنی وہ کسی سچّے واقعے، حادثے یا قصّے کا مطالعہ کر رہا ہے۔ ایک ماہر فن کار کو اپنی تخلیق میں قصّے کو اس طرح بیان کرنا چاہیے کہ قاری کی دل چسپی شروع سے آخر تک برقرار رہے۔ اگر کسی ناول کو پڑھتے وقت قاری یہ جاننے کے لئے بے تاب رہے کہ اب کیا ہونے والا ہے تو اس قصّے کو کامیاب اور دل کش قصّہ کہا جائے گا۔ گویا ناول میں کہانی آخری وقت تک برقرار رہے۔

پلاٹ : کسی قصّے کو ناول میں ترتیب دینے کو پلاٹ کہتے ہیں۔ پلاٹ مربوط بھی ہوتا ہے اور غیر مربوط بھی۔ اگر کسی ناول میں واقعات ایک دوسرے سے پوری طرح پیوست ہوں تو اُس پلاٹ کو مربوط پلاٹ کہا جائے گا۔ اگر واقعات ایک دوسرے سے پوری طرح منسلک نہ ہوں تو اُسے غیر مربوط پلاٹ کہا جائے گا۔ اگر کسی ناول میں کسی ایک قصّے یا واقعے کو بیان کیا جاتا ہے تو اُسے اِکہرا یا سادہ پلاٹ کہتے ہیں۔ اگر کسی ناول میں ایک سے زیادہ قصّوں یا واقعات کی عکّاسی کی جاتی ہے تو اُسے مرکّب پلاٹ کہتے ہیں۔ مرزا محمد ہادی رسوؔا کے ناول امراؤ جان اداؔ کا پلاٹ مربوط بھی ہے اور مرکب بھی۔ پنڈت رتن ناتھ سرشارؔ کے ناول فسانۂ آزاد میں واقعات ایک دوسرے سے پوری طرح وابستہ نہیں ہیں۔ اس لئے اُسے غیر مربوط پلاٹ کا ناول کہا جائے گا۔

کچھ انگریزی ناولوں کی طرح اُردو میں بھی غیر مربوط پلاٹ یا پلاٹ کے بغیر ناول تخلیق کیے گئے ہیں۔ اُردو میں جس کا بہترین نمونہ مرزا محمد ہادی رسوؔا کا ناول ''شریف زادہ'' ہے۔ بعض ناقدین پلاٹ والے ناولوں کے مقابلے میں غیر پلاٹ والے ناولوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ اُردو میں اب تک تخلیق کیے گئے بیش تر ناولوں میں مربوط یا غیر مربوط پلاٹ پائے جاتے ہیں۔ مختصر طور پر کہا جا سکتا ہے کہ واقعات کے ایسے منطقی تسلسل کو پلاٹ کہتے ہیں کہ ایک کے بعد دوسرا واقعہ بالکل فطری معلوم ہو۔

کردار نگاری : کردار نگاری ناول کا اہم جزو ہے۔ اس کے بغیر ناول کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ناول میں جو واقعات پیش کیے جاتے ہیں اُن سے وابستہ کچھ ذی روح یعنی زندہ افراد بھی ہوتے ہیں جنہیں کردار کہا جاتا ہے۔ یہ کردار انسان یعنی عورت، مرد اور بچّے بھی ہو سکتے ہیں اور جانور بھی۔ کبھی تخلیق کار خود کردار کے روپ میں جلوہ گر ہو کر قصّے یا تخلیق کو انجام تک پہنچاتا ہے۔ جانوروں میں کُتّا، بلّی، توتا، کبوتر، بکری، ہاتھی اور شیر جیسے کردار بھی ہو سکتے ہیں۔ غرض ناول کے قصّے میں شامل ہونے والے ہر جان دار کو کردار کہا جاتا ہے۔ جو کردار اہم ہوتا ہے اُسے اُس ناول کا ہیرو کہتے ہیں۔ باقی کردار ضمنی ہوتے ہیں اور وہ قصّے کو انجام تک پہنچانے میں مدد کرتے ہیں۔ کردار جس قدر حقیقی اور زندگی سے قریب ہوں گے ناول اُسی قدر کامیاب ہوگا۔

کردار دو طرح کے ہوتے ہیں جنہیں پیچیدہ یعنی راؤنڈ (**Round**) اور سپاٹ یعنی فلیٹ (**Flat**) کہا جاتا ہے۔ جن کرداروں میں یکسانیت نہیں ہوتی ہے، جو حالات و ماحول کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں یا جو حالات و ماحول سے متاثر ہوتے ہیں اُنہیں پیچیدہ یعنی راؤنڈ کردار کہتے ہیں۔ ایسے کرداروں میں ارتقا ہوتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس جو کردار ارتقا سے محروم ہوتے ہیں، جن میں یکسانیت ہوتی ہے یا جو حالات و ماحول سے متاثر نہیں ہوتے ہیں اُنہیں سپاٹ یعنی فلیٹ کردار کہتے ہیں۔

پریم چند کے ناول گئودان کا ہوری اور مرزا محمد ہادی رسوؔا کے ناول امراؤ جان اداؔ کی اُمراؤ جان پیچیدہ یعنی راؤنڈ کردار کے بہترین نمونے ہیں۔ مولوی نذیر احمد کے ناول توبۃ النصوح کا مرزا ظاہر دار بیگ اور پنڈت رتن ناتھ سرشارؔ کے ناول فسانۂ آزاد کا خوجی سپاٹ یعنی فلیٹ کردار کے بہترین نمونے ہیں۔

مکالمہ نگاری : ناول نویسی کے دیگر اجزا کی طرح مکالمہ نگاری بھی ناول کا ایک اہم جزو ہے۔ ناول کی کامیابی اور اُس کے معیار کو بلند کرنے کے لئے مکالمے اہم رول ادا کرتے ہیں۔ کسی تخلیق یا ناول میں کردار آپس میں جو گفتگو کرتے ہیں اُسے مکالمہ کہتے ہیں۔ اسی گفتگو یا بات چیت کے ذریعے کرداروں کے مزاج، نفسیات، عادات واطوار اور دلوں کے حال کا پتہ چلتا ہے۔ مکالمے قصّے کو آگے بڑھانے میں معاون ہوتے ہیں۔ کسی کامیاب ناول یا تخلیق کے لئے ضروری ہے کہ مکالمے ضرورت سے زیادہ طویل نہ ہوں۔ مکالمہ کردار کی زبان، معیار اور اُس کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ دراصل مکالمے کردار کی ذہنی کیفیت اور اُس کی سماجی زندگی کا آئینہ ہوتے ہیں۔ ایک ماہر فن کار یا ناول نویس کو مکالمے تحریر کرتے وقت ان تمام باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

منظر نگاری : منظر نگاری بھی ناول کا ایک جزو ہے۔ عمدہ منظر نگاری سے کسی تخلیق یا ناول کی دل کشی اور تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے۔ کسی ناول کی کامیابی میں منظر نگاری کا اہم رول ہوتا ہے۔ بہترین منظر نگاری سے جھوٹے واقعات بھی سچّے معلوم ہونے لگتے ہیں اور قاری خود کو اُسی ماحول کا ایک فرد سمجھنے لگتا ہے جس کی منظر نگاری کی جارہی ہوتی ہے۔ اگر کسی ناول میں حقیقت نگاری کے لئے نہیں بلکہ محض منظر نگاری کے فن کا مظاہرہ کرنے کے لئے مناظر پیش کیے جاتے ہیں تو وہ ناول کو کامیاب بنانے کے بجائے نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس لئے غیر ضروری منظر نگاری کے بجائے اُنہی مناظر کی عکّاسی کرنی چاہیے جو قصّے سے مطابقت رکھتے ہوں یا ناول کے لئے ضروری ہوں۔

نقطۂ نظر : ادب کی ہر تخلیق کے پسِ پُشت کوئی نقطۂ نظر کارفرما ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی موضوع کے تحت ناول تخلیق کرنے کا کوئی خاص مقصد ہوتا ہے۔ فن کار ہمارے سماج کا حصّہ ہوتا ہے اس لئے دیگر افراد کی طرح اس کا بھی زندگی کے نشیب وفراز، سماجی حالات و واقعات اور دیگر محرّکات سے متاثر ہونا ناگزیر ہے۔ چوں کہ فن کار یا تخلیق کار عام آدمی سے زیادہ حسّاس ہوتا ہے اور اُس کا مشاہدہ دیگر افراد سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ ان کیفیات کی عکّاسی اپنی تخلیق کے ذریعے کرتا ہے جسے عام آدمی بیان کرنے سے قاصر نظر آتا ہے۔ ہر انسان اور بالخصوص فن کار یا تخلیق کار کائنات کی تمام اشیا اور حادثات وواقعات کو اپنے خاص زاویۂ نظر سے دیکھتا ہے اور اُس کے متعلّق اُس کی ایک رائے بھی ہوتی ہے۔ یہی وہ محرّکات ہیں جو تخلیق کار کو تخلیق کے لئے اُکساتے یا مجبور کرتے ہیں۔ ناول نگار یا تخلیق کار جب قلم اُٹھاتا ہے تو کسی نہ کسی طرح اپنے خیالات کا اظہار بھی کرتا ہے۔ انہی خیالات کے اظہار کا نام نقطۂ نظر ہے۔ کامیاب تخلیق کار یا ماہرِ فن اپنی رائے یا اپنے خیالات کا اظہار برملا نہیں کرتا ہے بلکہ ناول یا اپنی تخلیق میں ایسے اشارے ضرور کر دیتا ہے کہ قاری خود بخود اُس کے نقطۂ نظر سے واقف ہو جاتا ہے۔ بعض ناول نگار ناول کے اختتام میں اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ اُن کے اس عمل سے ناول کی اہمیت وافادت مجروح ہو جاتی ہے۔

10.05 نمائندہ ناول نگار اور اُن کے ناول

﴿۱﴾ پنڈت رتن ناتھ سرشار (فسانۂ آزاد)

﴿۲﴾ ڈپٹی نذیر احمد (توبۃ النصوح)

﴿۳﴾ عبدالحلیم شرر (فردوسِ بریں)

﴿۴﴾ مرزا ہادی رُسوا (اُمراؤ جان اَدا)

﴿۵﴾	پریم چند	(گئودان)
﴿۶﴾	عصمت چغتائی	(ٹیڑھی لکیر)
﴿۷﴾	راجندر سنگھ بیدی	(ایک چادر میلی سی)
﴿۸﴾	قرۃ العین حیدر	(آگ کا دریا)
﴿۹﴾	شوکت صدیقی	(خدا کی بستی)
﴿۱۰﴾	عبداللہ حسین	(اُداس نسلیں)
﴿۱۱﴾	انتظار حسین	(بستی)
﴿۱۲﴾	الیاس احمد گدی	(فائر ایریا)

10.06 خلاصہ

ناول انگریزی زبان کا لفظ ہے جسے اطالوی زبان میں ناویلا (**Novella**) کہا جاتا ہے جس کا معنی ہے 'نیا'۔ ناول ایسے نثری قصّے کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعے معاشرت کے واقعات، حالات اور مناظر کو ایسے فطری انداز میں بیان کیا جائے کہ حکایت پر حقیقت کا گمان ہونے لگے۔ ناول میں غیر فطری عناصر کے بجائے حقائق کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ مولوی نذیر احمد کو اُردو کا پہلا ناول نگار اور اُن کے ناول مراۃ العروس کو اُردو کا پہلا ناول تسلیم کیا جاتا ہے۔ رتن ناتھ سرشار نے 'فسانۂ آزاد' کے علاوہ کئی قابلِ قدر ناول تخلیق کیے ہیں۔ ناول کے اوّلین معماروں میں عبدالحلیم شرر اور محمد علی طیّب کے نام اہم ہیں۔ منشی سجّاد حُسین نے اودھ پنچ اخبار کے ذریعے ظریفانہ طرزِ تحریر کی بنیاد ڈالی اور کئی قابلِ قدر ناول تحریر کیے۔ مرزا محمد ہادی رسوا نے فنِ ناول نویسی کو نئی جہت سے آشنا کیا اور کئی عمدہ ناولوں کے علاوہ اُمراؤ جان ادا جیسا اہم ناول بھی تخلیق کیا۔

پریم چند کے بیش تر ناول دیہاتی زندگی، کسانوں، مزدوروں اور دبے کُچلے انسانوں کی حالتِ زار کے بہترین مرقعے ہیں۔ اُن کے ناول گئودان کا شمار اُردو کے شاہ کار ناولوں میں کیا جاتا ہے۔ نیاز فتح پوری، مجنوں گورکھ پوری اور فیّاض علی نے رومانی اور نفسیاتی ناول تخلیق کیے۔ قاری سرفراز حُسین، سجّاد حُسین کسمنڈوی، سدرشن بالی، اوپیندر ناتھ اشک، اعظم کریوی، سہیل عظیم آبادی، علی عبّاس حُسینی اور عظیم بیگ چغتائی نے اُردو ناول کی روایت کو کافی فروغ دیا۔

ترقّی پسند تحریک سے متاثر ہو کر سجّاد ظہیر نے لندن کی ایک رات جیسا اہم ناول لکھا۔ رضیہ سجّاد ظہیر کے بھی کئی ناول قابلِ ذکر ہیں۔ کرشن چندر نے کئی قابلِ ذکر ناول تخلیق کیے۔ ناول نگاری کی روایت کو جلا بخشنے والوں میں قاضی عبدالستّار، عصمت چغتائی، قاضی عبدالغفّار، عزیز احمد اور قرۃ العین حیدر کے نام نہایت اہم ہیں۔ عبداللہ حُسین، شوکت صدّیقی، حیات اللہ انصاری، خدیجہ مستور، راجندر سنگھ بیدی، بلونت سنگھ، مہندر ناتھ، جمیلہ ہاشمی، انور سجّاد، انتظار حُسین، سلیم اختر، ممتاز مفتی، بانو قدسیہ اور رضیہ فصیح احمد نے بھی کئی قابلِ قدر ناول تخلیق کیے ہیں۔ عہدِ حاضر میں متعدد ناول نگار ناول نگاری کی روایت کو آگے بڑھانے میں مصروف ہیں۔

10.07 فرہنگ

آئینہ دار : عکس، تصویر۔
ارتقا : بتدریج ترقّی کرنا۔ بتدریج نشو ونما ہونا۔
برعکس : خلاف۔ اُلٹ۔
بُنیاد ڈالنا : ابتدا کرنا، آغاز کرنا، کسی کام کو شروع کرنا۔
پسِ پُشت : پُشت کے پیچھے، پردے کے پیچھے۔
پس منظر : کسی منظر کا وہ حصّہ جو ہر پہلو سے اربابِ کار کو نمایاں کرنے میں مدد دے۔
پیچیدہ : مشکل، دقّت طلب، گنجلک۔
پیوست ہونا : مِلا ہونا، جڑا ہونا، داخل ہونا۔
تخلیق کار : خالق، تخلیق کرنے والا، مصنّف۔
تسلسل : سلسلہ، لڑی۔
تصویر کشی : تصویر بنانا، نقشہ بنانا، تصویر کھینچنا۔
جامعیت : ہمہ گیری، جس میں سب کچھ آ گیا ہو۔
جزو : حصّہ، ٹکڑا۔
حقیقت نگاری : اصلیت بیان کرنا، حقیقت لکھنا۔
خود رفتگی : بے خودی، بے خبری۔
ذی روح : جان دار، حیوان۔
سرگزشت : واردات، حال، ماجرا، سوانحِ عمری، داستان۔

ضمنی : متعلّقہ، دیگر، مشمول۔
عکّاسی کرنا : عکس دکھانا، منظر اُبھارنا، بیان کرنا۔
عناصر : عنصر کی جمع، اصلی اجزا۔
غیر فطری : فطرت کے خلاف، غیر حقیقی، جس میں حقیقت نہ ہو
غیر مربوط : جو وابستہ نہ ہو، ڈھیلا، بے ربط
فرسودہ : کُہنہ، پُرانا، بے وقعت
قلم اُٹھانا : لکھنا، تحریر کرنا
گام زَن رہنا : چلنا، آگے بڑھنا
مافوق الفطرت : جو فطرت سے بالاتر ہو، فطرت کے خلاف۔
محیّر العقول : عجیب و غریب، عقل کو حیرانی میں ڈالنے والا۔
مربوط : وابستہ، گٹھا ہُوا، ربط کیا گیا۔
مرکب : ترکیب دیا ہُوا، ملا ہُوا، مخلوط۔
مکالمہ : گفتگو، زبانی سوال و جواب، ہم کلامی۔
نظر انداز کرنا : نظر میں نہ لانا، بے اعتنائی برتنا۔
نفسیات : ذہنی محرّکات۔
نقطۂ نظر : خیال، نظریہ۔

10.08 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰۔۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : ناول کی تعریف کیجیے۔
سوال نمبر ۲ : مکالمہ نگاری کسے کہتے ہیں؟ واضح کیجیے۔

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰۔۳۰ رسطروں میں دیجیے:

سوال نمبر ۱ : ناول سے متعلّق چند ادیبوں کے نظریات لکھیے۔

سوال نمبر ۲ : ناول کے اجزاے ترکیبی کیا ہیں؟ بیان کیجیے۔

10.09 حوالہ جاتی کتب

۱۔ ناول کا فن از ابوالکلام قاسمی

۲۔ ناول کیا ہے؟ از محمد احسن فاروقی

۳۔ اصنافِ ادبِ اُردو از ڈاکٹر قمر رئیس، ڈاکٹر خلیق انجم

۴۔ بیسویں صدی میں اُردو ناول از ڈاکٹر یوسف سرمست

اکائی 11 : افسانہ

ساخت

11.01 : اغراض ومقاصد

11.02 : تمہید

11.03 : افسانہ کی تعریف

11.04 : افسانہ کا پس منظر

11.05 : افسانہ کے اجزاے ترکیبی

11.06 : نمائندہ افسانہ نگار اور اُن کے افسانوی مجموعے

11.07 : خلاصہ

11.08 : فرہنگ

11.09 : نمونہ امتحانی سوالات

11.10 : حوالہ جاتی کتب

11.01 اغراض ومقاصد

زیرِ نظر اکائی اُردو افسانے سے متعلق ہے۔اس میں آپ اُردو افسانے کی خصوصیات اور اُردو افسانے کے ارتقا کے بارے میں تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ کو اس کی تفہیم میں نہ صرف مدد ملے گی بلکہ اس طرح افسانے سے آپ کی دل چسپی میں بھی یقیناً اضافہ ہوگا۔

11.02 تمہید

قصّے کہانیوں سے انسان کے ذہن کی فطری دل چسپی اس کی اجتماعی اور سماجی زندگی کی ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔دَورِ قدیم میں جب انسان نے ارتقا کی منزلیں طے کرنی شروع بھی نہیں کی تھیں اور جب وہ جنگلوں میں بے سروسامانی کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور تھا اور اسے فطرت کی اَن دیکھی قوت سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔اس کے علاوہ رزق کی تلاش میں اسے خونخوار جنگلی چوپایوں سے بھی نبرد آزمائی کرنی پڑتی تھی۔اس مقابلے میں اسے حیات وموت کی کش مکش کی جن منزلوں سے گزر کر اپنی زندگی کی حفاظت کرنی پڑتی تھی اور رزق حاصل کرنا پڑتا تھا۔اس روداد کے بیان میں اس کے اور اس جیسے دیگر انسانوں کی دل چسپی کے لئے ہزاروں پہلو پوشیدہ تھے

۔چناں چہ اپنی کامیابی وکامرانی کا بیان اوراپنے تجربات واحساسات میں اپنے جیسے دیگرانسانوں کوشریک کرنے کی خواہش نے انسان کواپنی آپ بیتی دہرانے اوراپنی جماعت کے دیگرافراد کے دلوں پراپنی بہادری،حکمتِ عملی کا سکہ جمانے اورانہیں زندگی سے اپنے گہرے تجربےاور مشاہدے کا قائل کرنے کے جذبے نے جنگلوں میں حیوانوں کی سطح پر زندگی بسر کرنے والے انسان کواپنی آپ بیتی دُہرانے اورواقعات میں رنگ آمیزی کا ہنرعطا کیا۔انسانی زندگی میں یہی قصّے کہانیوں کا نقطۂ آغاز ہے۔

11.03 افسانہ کی تعریف

انگریزی زبان کے لفظFiction کی طرح اُردوزبان میں لفظ افسانہ بھی ایک وسیع مفہوم کا حامل لفظ ہے۔اُردو میں قصّے کہانیوں کی صدیوں پرمحیط تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے اس لفظ کی گہرائی ،وسعت اور بھرپورمعنویت ہماری نظروں کے سامنے آشکارا ہے۔افسانے کی تعریف ناقدینِ ادب نے مختلف انداز میں بیان کی ہے۔ان ناقدین کے بیانات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ افسانہ وہ نثری تخلیق ہے جس میں اختصار کے ساتھ جامعیت ہواورکسی خاص مرکزی تاثر پراستوار ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ یاعکس پیش کرنے میں کامیاب ہو۔افسانے کی زبان سادہ، پرکشش اوراس کا اُسلوب دل نشیں ہونا چاہیے۔''افسانہ انسانی زندگی کا رزمیہ ہے''۔اس میں انسانی زندگی اوراس کے حوالے سے انسانی سماج اپنی تمام خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ ہمارے سامنے آتا ہے۔اس طرح افسانہ انسان ،اس کی زندگی اورسماج کےتعلق سے زندگی اوراس کے تمام محرکات، گوناگوں مشاغل،نشیب وفراز،حادثات وواقعات،انسان کی اُمنگوں وآرزوؤں ،اس کے خواب اورآدرش اورزندگی سے متعلق اس کے نقطۂ نظرکواپنے اندرسموکراس طرح ہمارے سامنے لاتا ہے کہ انسانی زندگی یااس سے متعلق کسی پہلوکا بھرپورنقش ذہن پرچھوڑ جاتا ہے۔افسانے کی روح وحدتِ تاثر ہے۔افسانہ نگارکا فنی نصب العین یہ ہے کہ وہ کم سے کم وقت میں قاری کے ذہن پراپنے اثرات چھوڑ دے۔جس کی خاطر وہ اپنے تجربات اورمشاہدات کا سہارا لیتے ہوئے افسانے کی تخلیق کے مشکل مرحلوں سے گزرکرواقعات اورحادثات کوکرداروں کی مدد سے قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔افسانے کےتشکیلی لوازم اپنی ندرت اورجدّت سے قاری کے ذہن میں تجسّس کواُبھارتے ہیں اوراسے اس طور پراپنی گرفت میں لے لیتے ہیں کہ اس کی دل چسپی شروع سے آخرتک قائم رہتی ہے۔اس کا ذہن اس کے تاثرکوفوراً قبول کرلیتا ہے جوافسانے کی تخلیق کا سبب بنا ہے۔یہی افسانہ نگارکی کامیابی ہے۔افسانہ ایجاز واختصار کے باعث بہت سریع الاثر ہوتا ہے۔اس میں ناول جیسی وسعت نہیں ہوتی مگر یہ اس کی کمی کواپنی گہرائی اورتیزی سے پورا کرتا ہے۔

11.04 افسانہ کا پس منظر

تہذیبی زندگی کے آغاز سے قبل انسان جنگلوں میں زندگی بسر کرتا تھا۔سارا دن جنگلوں میں بےسروسامانی کی حالت میں اپنی زندگی کی حفاظت اوررزق کی تلاش میں سرگرداں انسان کودن بھرکی تھکن دورکرنے اوررات کی دہشت کودورکرنے کے لئے فطری طور پرایک ایسے مشغلے کی ضرورت تھی جس کے ذریعے اپنے تجربات میں اپنے ہم جنسوں کوشریک بھی کرسکےاوراپنی بہادری کے کارناموں کانقش بھی ان کے دلوں پرقائم کرسکے تاکہ اس کے ذہن پرتھوڑی دیرکے لئے ہی سہی خودفراموشی اورخوداعتمادی کی ایسی کیفیت طاری ہوجائے کہ خطرات سے گھری ہوئی زندگی میں ماحول کی سختیاں اورکڑوی حقیقتیں اس کے ذہن سے فراموش ہوجائیں۔اس طرح غورکیا جائے تو دَورِ قدیم میں رات کی ہول ناک تاریکی میں الاؤ کے گردجمع ہوکرقصّے کہانیوں کا یہ مشغلہ درحقیقت انسانی زندگی میں رومان کی لذّتوں اوراس کی دل کشی

کی ابتدا ہے۔اس کے علاوہ اس عہد کے انسان کا یہ مشغلہ ایک دوسرے کو سمجھنے اور قریب آنے کا وسیلہ بھی تھا۔ جب انسان نے تہذیبی زندگی کا آغاز کیا اور خانہ بدوشوں کی طرح جنگلوں میں رزق کی تلاش میں پھرنے کے بجائے سماجی اور اجتماعی زندگی کی افادیت کو سمجھ کر بستیاں بسانی شروع کیں۔کاشت کاری کے ہنر سے واقف ہونے کے بعد انسان کو فرصت کے لمحات میسر آئے اور اس کے جسم کو راحت اور آسائش میں لطف محسوس ہونے لگا تو قصّے کہانیوں کے انداز میں تبدیلی ہوئی لیکن بدلے ہوئے انداز میں بھی کہانی کے وہ عناصر بدستور قائم رہے جو اس کے ابتدائی دَور کی خصوصیات تھے اور اپنے اندر انسان کے لئے دل چسپی اور دل کشی کے ہزار سامان رکھتے تھے۔ جب انسان نے کہانی کہنے کے بجائے کہانی لکھنے کے عمل کا آغاز کیا تب بھی کہانی کے ابتدائی تصوّرات اور بنیادی خصوصیات اس سے وابستہ رہیں۔ بقول وقار عظیم :

> ''کہانی دل چسپی کا ایک مشغلہ ہے۔کہانی انسان کے ان کارناموں کی روداد ہے جس میں اس نے اپنے ماحول کی کسی متصادم قوّت کے مقابل آ کر اس پر فتح حاصل کی ہے۔کہانی انسان کے احساسِ برتری کا ذریعہ ہے۔ کہانی حقائق کی بنیاد سے دور تخیل، تصوّر اور رومان کے جہانِ تازہ کی تصویر ہے۔''
>
> (داستان سے افسانہ تک۔ص ۸)

تغیر اور تبدیلی انسانی زندگی کا خاصہ ہے۔ چنانچہ افسانہ زندگی سے براہِ راست متعلق ہونے کے سبب اسی کی طرح متحرک اور تغیر آمیز ہے۔مختصر یہ کہ انسانی سماج اور زندگی میں جیسے جیسے تبدیلیاں آتی ہیں، افسانہ بھی اس سے متاثر ہوتا ہے۔

11.05 افسانہ کے اجزاے ترکیبی

ایک اچھا افسانہ نگار کسی مختصر واقعے کو چند کرداروں کی مدد سے قوّتِ گویائی بخش دیتا ہے۔اس کے اس عمل سے افسانے میں ایک ایسی تیزی، طرّاری چبھن اور تیکھا پن پیدا ہو جاتا ہے جو کبھی کسی ناول کو میسّر نہیں آتا۔افسانے کی ابتدا سے لے کر انتہا تک جو درمیانی فاصلہ ہوتا ہے اسے افسانہ نگار اپنے نوکِ قلم سے پُر کرتا ہے۔افسانے کا فن اختصار کا فن ہے۔ یہ زندگی کے کسی ایک پہلو یا کسی واقعے کو اپنا موضوع بناتا ہے۔لہٰذا افسانہ نگار کے پاس بال کی کھال نکالنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ وہ تو مختصر وقت میں کسی واقعے کو افسانہ بنا دینے کا ہنر جانتا ہے۔افسانہ نگار صرف اشارے اور کنائے سے کام لیتا ہے۔ایک صاحبِ طرز افسانہ نگار اپنے فکر و فن، ذہانت اور ہنرمندی سے چھوٹے سے چھوٹے واقعے کو بڑا بنا کر پیش کر دیتا ہے۔اس روشنی میں اگر ہم افسانہ کے اجزاے ترکیبی کا جائزہ لیں تو ہمیں درج ذیل اجزا کی موجودگی کا احساس ہوتا ہے۔

پلاٹ:

افسانے میں پلاٹ سے مراد واقعات کے مختلف اجزا کی مناسب اور موزوں ترتیب ہے۔ایک اچھے افسانے کی شناخت یہ ہے کہ افسانہ نگار واقعات کو یا ان کے مختلف اجزا کو اس طرز پر ایک ایسا منطقی ربط دے کر پیش کرے کہ ان کا نقش ذہن پر قائم ہو جائے۔ایک اچھے افسانے کی شناخت یہ ہے کہ اس میں ایک لفظ بھی غیر ضروری نہ ہو کیوں کہ غیر ضروری تفصیل افسانے کے حُسن کو مجروح کرتی ہے اور اس کے تاثر کو زائل کرتی ہے۔جس کے نتیجے میں قاری کی توجہ مرکزی خیال پر مرکوز نہیں رہ پاتی۔ غیر ضروری تفصیل اور پلاٹ کے جھول سے احتراز افسانے کے لئے بے حد ضروری ہے۔

کردار:

افسانے کے لئے کردار اسی طرح ضروری ہیں جس طرح ناول کے لئے ۔کیوں کہ افسانہ نگار جن واقعات کو افسانے میں پیش کرتا ہے ان کا تعلق سماج میں رہنے والے افراد ہی سے ہوتا ہے جو افسانے میں کردار و واقعات کی پیش کش کا ذریعہ بنتے ہیں۔افسانے کا فن چوں کہ اختصار کا فن ہے لہٰذا افسانے میں پیش کیے جانے والے کرداروں کی زندگی کا کوئی ایک پہلو ہی بھر پور طریقے سے ہمارے سامنے آتا ہے۔افسانے میں کردار نگاری اس کے اختصار کے فن کی وجہ سے بے حد مشکل ہے۔چناں چہ افسانہ نگار کو بڑی محنت سے کسی کردار کو تراش کر قاری کے سامنے پیش کرنا پڑتا ہے۔اردو افسانہ نگاروں نے اس دقت کے باوجود کئی نا قابلِ فراموش کردار پیش کیے ہیں۔

نقطۂ نظر:

انسانی سماج اور اس میں رہنے والے افراد کا زندگی کے بارے میں ایک مخصوص نقطۂ نظر ہوتا ہے۔تخلیق کار چوں کہ سماج کے سب سے زیادہ ذہین اور حسّاس افراد ہوتے ہیں لہٰذا اُن کے نقطۂ نظر کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔افسانہ نگار در حقیقت افسانے کے پردے میں واقعات اور کرداروں کی مدد سے زندگی اور سماج سے متعلق اپنا نقطۂ نظر ہی پیش کرتا ہے۔یہ ایک الگ بات ہے کہ اس کا نقطۂ نظر سطح پر اُبھر نہیں پاتا مگر افسانے کے قاری پر اس کا اثر بھر پور ہوتا ہے۔افسانہ نگار کی کوشش ہی یہ ہوتی ہے کہ راست طور پر کوئی بات لینے کے بجائے اپنی تخلیق کو اس طرح پیش کرے کہ فن کار کے دل کی بات قاری کے دل میں اُتر جائے۔مثلاً پریم چند کا افسانہ ''نمک کا داروغہ'' پڑھ کر ہمارے دل میں دیانت داری اور اُصول پرستی کی قدر بڑھ جاتی ہے۔

ماحول اور فضا:

ماحول اور فضا کی افسانے میں بہت اہمیت ہے۔اپنے فن میں ماہر افسانہ نگار فضا آفرینی کے ذریعے افسانے کی تاثیر میں اضافہ کرتا ہے۔فضا آفرینی سے مراد ہے کہ افسانہ نگار اپنے زورِ قلم سے ماحول کی ایسی پُر اثر تصویر کھینچے کہ قاری کے دل پر وہی کیفیت طاری ہو جائے جو افسانہ نگار کا مقصد ہے۔مثال کے طور پر اگر افسانے کا موضوع غریبی ہے یا ذات پات کی تفریق ہے تو افسانہ نگار کا فرض ہے کہ وہ غریبوں اور ذات پات کی آڑ میں ہونے والے استحصال کی ایسی پُر اثر تصویریں پیش کرے کہ قاری اس میں ڈوب جائے۔جن افسانہ نگاروں نے فضا آفرینی اور ماحول کی تصویر کشی اپنے افسانوں میں کامیابی کے ساتھ کی ہے ان کے افسانے زیادہ پر تاثیر ہیں۔

اُسلوب:

جس طرح ہر صنفِ سخن کے اُسلوب اور بیان کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔اسی طرح ہر فن کار کا اپنا ایک مخصوص اور منفرد اُسلوب ہوتا ہے۔افسانے کا فن ایجاز و اختصار کا فن ہے۔چناں چہ ایک بھی زائد لفظ کی اس میں گنجائش نہیں ہوتی۔چناں چہ افسانہ نگار کفایتِ لفظی سے کام لیتا ہے یعنی اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ بات کہہ دے۔اس لحاظ سے افسانہ نگار کو اس ہنر سے ضرور واقف ہونا چاہیے کہ اسے کیا نہیں لکھنا ہے یعنی جو لفظ یا فقرہ افسانے کو آگے بڑھانے کے بجائے اس کی رفتار میں رُکاوٹ پیدا کرے وہ غیر ضروری ہے اور اسے قلم زد کر دینا چاہیے۔اس کے علاوہ افسانہ نگار کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ افسانہ میں پیش کیے جانے والے موضوع کی مناسبت سے اُسلوبِ بیان اختیار کرے۔

مکالمہ:

مکالمہ سے مراد دو کرداروں کے درمیان گفتگو کے جملے یا فقرے ہیں۔ڈرامے کی طرح مکالمے افسانے کا لازمی عنصر تو نہیں ہیں پھر بھی بعض مقامات پر واقعات کو آگے بڑھانے میں افسانہ نگار کو جس سہارے کی ضرورت ہوتی ہے وہ کرداروں سے ادا کرائے گئے مکالمے ہیں ۔یہ مکالمے واقعات اور کرداروں کے تعارف کا ذریعہ تو بنتے ہی ہیں ساتھ ہی کرداروں کی ذہنی، جذباتی اور نفسیاتی جہتوں کو بھی قاری کے سامنے لانے میں مددگار ہوتے ہیں۔افسانے میں مکالمے ہمیں قصّہ کی گہرائی اور کرداروں سے متعلق کوئی رائے قائم کرنے میں مدد دیتے ہیں لیکن ضروری نہیں ہے کہ ہر افسانے میں مکالمہ موجود ہو۔اگر افسانے میں باضابطہ مکالمے نہ بھی ہوں تو بھی بیانیہ اُسلوب کامیابی سے کہانی کو اختتام تک پہنچا سکتا ہے۔ایک اچھا افسانہ نگار ماحول، مکالمہ اور اُسلوبِ بیان سے اپنے افسانے کو فنی حُسن بخشتا ہے۔

آغاز واختتام:

افسانے کے نقطۂ آغاز کی طرح خاتمے کی بھی بڑی اہمیت ہے کیوں کہ افسانہ نگار انہی دو نقطوں کے درمیان افسانے کی عمارت تعمیر کرتا ہے۔اچھا افسانہ نگار اس حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے کہ افسانے کا پہلا جملہ اتنا بھرپور، پرتاثیر اور دلچسپ ہو کہ قاری کے ذہن پر فوراً اپنی گرفت قائم کرلے۔اس عمل میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اب افسانہ نگار کی ہنرمندی یہ ہے کہ پورے افسانے میں قاری کی توجہ کو ایک لمحہ کے لئے بھٹکنے نہ دے۔قاری کا یہ تجسّس ہر لمحہ بہرحال برقرار رہنا چاہیے کہ اب کیا ہونے والا ہے اور جب کہانی ختم ہو تو پڑھنے والا کافی عرصے تک اس کی گرفت سے باہر نہ نکل سکے۔دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ افسانے کا خاتمہ اتنا پُراثر ہو کہ قاری کے ذہن میں ایک سوالیہ نشان قائم ہو جائے اور اس کے ذہن میں اس سوال کے جواب کو حاصل کرنے کی تڑپ اور جستجو پیدا ہو جائے جو افسانہ نگار کا مقصد ہے۔

وحدتِ تاثر:

وحدتِ تاثر ہی افسانے کی اساس ہے۔ایک کامیاب افسانے کی پہچان یہ ہے کہ وہ پڑھنے والے کے ذہن پر تادیر قائم رہنے والا نقش قائم کرے یعنی قاری کے ذہن پر کوئی کیفیت بھرپور انداز سے طاری ہو۔

11.06 نمائندہ افسانہ نگار اور اُن کے افسانوی مجموعے

﴿۱﴾ پریم چند (واردات)

﴿۲﴾ سعادت حسن منٹو (ٹھنڈا گوشت)

﴿۳﴾ کرشن چندر (ہم وحشی ہیں)

﴿۴﴾ راجندر سنگھ بیدی (اپنے دُکھ مجھے دے دو)

﴿۵﴾ عصمت چغتائی (چوٹیں)

﴿۶﴾ خواجہ احمد عباس (ایک لڑکی)

﴿۷﴾ قرۃ العین حیدر (روشنی کی رفتار)

﴿۸﴾ سہیل عظیم آبادی (اَلاؤ)

﴿۹﴾ جیلانی بانو (راستہ بند ہے)

﴿۱۰﴾ سریندر پرکاش (بجوکا)

﴿۱۱﴾ غیاث احمد گدی (بابا لوگ)

﴿۱۲﴾ اقبال مجید (تماشا گھر)

11.07 خلاصہ

قصے کہانی سے انسان کی فطری وابستگی رہی ہے۔ابتدائے آفرینش سے ہی انسان اپنے ساتھ گزرے واقعات اور خود کے تجربات دوسروں تک پہنچاتا رہا ہے۔اس کی یہی آپ بیتی کہانی کی ابتدا کی شکل قرار دی جاسکتی ہے۔دَور بدلا اور اس کے ساتھ ہی قصہ گوئی ایک فن کی حیثیت اختیار کرگئی۔داستانیں وجود میں آئیں اور پھر منظوم داستانیں لکھی جانے لگیں۔کہانی یا افسانہ کیا ہے؟ بحیثیتِ ادب اس کی کیا تعریف کی جاسکتی ہے؟اس پر مشاہیرینِ ادب نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ان خیالات کی روشنی میں افسانہ ایک ایسی بیانیہ نثری صنفِ ادب ہے جس میں کوئی قصہ اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان کیا جائے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ یا عکس اس طرح سامنے آئے کہ قاری پر ایک خاص تاثر طاری ہو۔جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا کہ قصہ گوئی کا فن بے حد قدیم ہے اور نثری و منظوم دونوں طرح کے قصّے ہمارے ادب کا حصّہ ہیں۔منظوم قصّوں کو ہم مثنوی کہتے ہیں۔نثری قصّوں کی قدیم صورت داستانیں ہیں پھر ناول و افسانہ۔ناول میں انسانی زندگی کی مکمل تصویر اور اس کا مکمل سماجی و تہذیبی پس منظر پیش کیا جاتا ہے جب کہ افسانے میں زندگی کا کوئی گوشہ یا پہلو قصّے کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔افسانے کے اجزائے ترکیبی یعنی وہ عناصر جن سے افسانے کی تشکیل ہوتی ہے ''پلاٹ، کردار، نقطۂ نظر، ماحول و فضا، اُسلوب، مکالمہ، آغاز و اختتام اور وحدتِ تاثر'' وغیرہ ہیں۔پلاٹ واقعات کی مربوط و موزوں ترتیب کو کہتے ہیں۔کردار وہ افراد ہوتے ہیں جو اپنے عمل سے کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔

ہر انسان خواہ وہ تخلیق کار ہی کیوں نہ ہو، اس کا ایک خاص نقطۂ نظر ہوتا ہے۔اس کا یہ نظریہ بھی اس کے افسانے میں کہیں نہ کہیں ضرور نظر آتا ہے۔ماحول اور فضا کی افسانے میں بہت اہمیت ہے۔کہانی جس ماحول سے متعلق ہو اس کی جان دار اور پھر بھرپور عکاسی افسانے میں پائی جانی چاہیے۔ہر فن کار کا اپنا طرزِ بیان اور اُسلوبِ اظہار ہوتا ہے۔افسانے کا فن ایجاز و اختصار کا فن ہے اس لئے افسانہ نگار کو کفایتِ لفظی سے کام لینا ہوتا ہے پھر موضوع کے لحاظ سے افسانہ نگار اُسلوب اختیار کرتا ہے۔مکالمہ کا عنصر جس قدر ڈرامے کے لئے ضروری ہے، افسانے کے لئے نہیں لیکن قصّے کی گہرائی اور کرداروں کی نفسیات سے واقفیت میں مکالمے سے مدد ملتی ہے۔افسانہ چوں کہ مختصر ہوتا ہے اس لئے اس کا آغاز اور انجام دونوں ہی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ایک اچھا آغاز اور مؤثر انجام قاری کو اس مقصدِ تخلیق کا رمز شناس بنا دیتا ہے کہ جس کے لئے افسانہ وجود میں آیا ہے۔وحدتِ تاثر پر ہی افسانے کا دارومدار ہوتا ہے۔کامیاب افسانہ وہی ہے جو قاری کے ذہن پر بھرپور طریقے سے اثر انداز ہو۔

افسانے کے آغاز وارتقا کا سہرا پریم چند کے سر ہے۔ ۱۹۰۷ء میں ان کا پہلا افسانہ ''دنیا کا سب سے انمول رتن'' اردو کا پہلا باقاعدہ افسانہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ پریم چند سے یہ روایت علی عباس حسینی، اعظم کریوی وغیرہ تک پہنچتی ہے اور پھر اسی دَور میں سجاد حیدر یلدرم اور نیاز فتح پوری بھی سامنے آتے ہیں۔ ۱۹۳۲ء میں ترقی پسند تحریک کے آغاز کے ساتھ ہی افسانے میں ایک نیا موڑ آتا ہے۔ ''انگارے'' کی اشاعت نے قدامت پرستوں اور ادب کے قدیم تقاضوں پر ضرب لگائی۔ اب کرشن چندر، منٹو، بیدی، عصمت چغتائی اور خواجہ احمد عباس جیسے افسانہ نگار سامنے آئے۔ قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین نے ترقی پسندوں سے ہٹ کر افسانوں کو ایک نیا مزاج عطا کیا۔ ۱۹۶۰ء کے بعد ایک نئی نسل سامنے آئی۔ اقبال مجید، جیلانی بانو اور قاضی عبدالستار وغیرہ نے عصری مسائل کو افسانے کا موضوع بنایا۔ جدید افسانہ نگاروں نے فرد اور سماج کے رشتے سے ہٹ کر فرد کی داخلی کیفیت اور اس کے ذہنی انتشار کو نئی علامتوں کے پردے میں پیش کیا۔ جدید افسانہ پھر ایک بار کہانی پن کی طرف لوٹا ہے اور نئی علامت کو اختیار کرتے ہوئے عصری مسائل کو افسانے کا موضوع بنایا جارہا ہے۔

11.08 فرہنگ

آشکارا	: ظاہر ہونا	مافوق الفطری	: غیر حقیقی واقعات یا کردار جیسے جن، پری اور طلسم وغیرہ
بدستور	: حسبِ عادت		
تجسس	: ڈھونڈھنا، تلاش کرنا	مشغلہ	: کام
روداد	: کیفیت۔حال	ناگزیر حقیقت	: ضروری حقیقت
سریع الاثر	: تیزی سے اثر کرنے والا	نشیب وفراز	: اونچائی اور نیچائی
صحرا	: جنگل	نصب العین	: منظورِ خاطر، مدِنظر
طرۂ امتیاز	: خاص الخاص	ہم جنس	: اپنے جیسے دوسرے انسان

11.09 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰۔۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : افسانہ کی تعریف کیجیے۔

سوال نمبر۲ : ''وحدتِ تاثر'' کسے کہتے ہیں؟ واضح کیجیے۔

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰۔۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : ''افسانہ انسانی زندگی کا رزمیہ ہے۔'' وضاحت کیجیے۔

سوال نمبر۲ : افسانہ کے اجزاے ترکیبی کیا ہیں؟ سپردِ قرطاس کیجیے۔

11.10 حوالہ جاتی کتب

۱۔ فنِ افسانہ نگاری از وقار عظیم

۲۔ داستان سے افسانہ تک از وقار عظیم

۳۔ فنِ داستان گوئی از کلیم الدین احمد

اکائی 12: ڈرامے

ساخت

12.01 : اغراض ومقاصد
12.02 : تمہید
12.03 : ڈرامے کی تعریف
12.04 : ڈرامے کا فن
12.05 : ڈرامے کے اجزاے ترکیبی
12.06 : ڈرامے کی اقسام
12.07 : نمائندہ ڈراما نگار اور اُن کے ڈرامے
12.08 : خلاصہ
12.09 : فرہنگ
12.10 : نمونہ امتحانی سوالات
12.11 : حوالہ جاتی کتب
12.12 : اپنے مطالعے کی جانچ: جوابات

12.01 اغراض ومقاصد

اس اکائی میں آپ ڈرامے کے فن اور اُردو میں ڈراما نگاری کی روایت کا مطالعہ کریں گے۔اس میں ڈرامے کے فنی لوازمات، بنیادی اجزا اور دیگر متعلقہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے گی۔اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ صنفِ ڈراما کی مبادیات اور اس کی خصوصیات سے واقفیت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اُردو میں ڈراما نگاری کی تاریخ وروایت سے بھی آگاہی حاصل کریں گے۔اس کے علاوہ اس اکائی کے مطالعے سے آپ کو ڈرامے کے فن کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

12.02 تمہید

ڈراما ایک قدیم ترین صنف ہے۔جس کی روایت دنیا کی تقریباً تمام زبانوں میں موجود ہے۔ڈراما صرف پڑھنے یا سننے کی چیز نہیں بلکہ اس کا تعلق عمل اور عملی پیش کش سے ہے۔اس کی ابتدا یونان سے ہوئی۔ ہندوستان میں بھی ڈرامے کی روایت بہت پرانی رہی ہے۔خاص طور سے سنسکرت میں اعلیٰ پایے کے ڈرامے لکھے گئے۔اُردو میں بھی اگرچہ ڈراما کی روایت موجود ہے لیکن یہ روایت بہت پرانی نہیں۔ انیسویں صدی کے نصفِ آخر کے آس پاس اُردو میں ڈرامے کی روایت کا آغاز ہوا۔اس وقت سے لے کر آج تک اُردو ڈراما مختلف مراحل سے گزرا ہے۔اُردو کا پہلا ڈراما ''رادھا کنہیا کا قصّہ'' ہے۔اس اکائی میں ڈرامے کی روایت پر روشنی ڈالی جائے گی۔

12.03 ڈرامے کی تعریف

ڈراما یونانی زبان کے لفظ ''ڈراؤ'' سے مشتق ہے۔جس کا معنی ''کرنا یا کر کے دکھانا'' ہے۔یعنی ڈراما عمل پر مبنی فن ہے جس کا تعلق صرف پڑھنے سے ہی نہیں بلکہ عمل سے بھی ہے۔داستان، ناول یا افسانے کی طرح ڈرامے میں بھی پلاٹ، کردار، مکالمہ اور منظر کشی وغیرہ اجزا ہوتے ہیں لیکن یہ صرف بیانیہ انداز میں موجود نہیں ہوتے بلکہ یہ عملی طور پر اُجاگر ہوتے ہیں۔یعنی ڈرامے میں کہانی کو عملی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔اس میں کرداروں کی حرکت وعمل اور گفتار کے ذریعے کسی موضوع یا مسئلے پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔غرض کہ عملی پیش کش کے بغیر ڈرامے کا کوئی تصوّر ممکن نہیں۔کیوں کہ ڈرامے کا سارا دارو مدار عمل اور پیش کش پر ہوتا ہے اور پیش کش کے لئے تحریری خاکے یا اسکرپٹ کے علاوہ اداکار، اسٹیج، اسٹیج کی آرائش، روشنی، آواز، مناظر اور موسیقی وغیرہ کے ساتھ ساتھ تماشائیوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

12.04 ڈرامے کا فن

ادب کی دیگر اصناف کی طرح ڈراما بھی زندگی کی ترجمانی سے عبارت ہے۔اس کے ذریعے زندگی کے واقعات وحالات کی کہانی پیش کی جاتی ہے لیکن فنی اعتبار سے ڈراما دیگر ادبی اصناف سے مختلف ہوتا ہے۔اس کے فنی تقاضے مختلف ہوتے ہیں کیوں کہ یہ محض پڑھنے یا سننے کی چیز نہیں ہوتی بلکہ اس میں زندگی کی عملی نقالی یا ترجمانی اسٹیج کے ذریعے کی جاتی ہے۔لہٰذا اس کے فنی ضابطے بھی اسی لحاظ سے بنائے گئے ہیں۔ان ضابطوں کی پیروی کے بغیر کامیاب ڈرامے نہیں لکھے جاسکتے۔اگر چہ ڈراما مسلسل ارتقا پذیر فن ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کے ضابطوں میں ترمیم واضافے ہوتے رہے ہیں لیکن مندرجہ ذیل اجزا ڈرامے کے فن کے لئے ضروری ہیں۔

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۱﴾ ڈراما کس زبان کا لفظ ہے؟

﴿۲﴾ اُردو کا پہلا ڈراما کون سا ہے؟

﴿۳﴾ ڈرامے کی ابتدا کہاں سے ہوئی؟

﴿۴﴾ اُردو میں ڈرامے کی روایت کا آغاز کس صدی میں ہوا؟

12.05 ڈرامے کے اجزائے ترکیبی

ڈرامے کے درج ذیل اجزائے ترکیبی ہیں۔

ہر ڈرامے میں ان اجزا کا ہونا لازمی ہے۔اگر ان میں سے کسی بھی جزو کو نظر انداز کر دیا جائے تو ڈراما مکمل شکل اختیار نہیں کر سکتا۔

﴿۱﴾ مرکزی خیال ﴿۲﴾ پلاٹ ﴿۳﴾ کردار

﴿۴﴾ مکالمہ ﴿۵﴾ تصادم ﴿۶﴾ نقطۂ عروج اور انجام

﴿۱﴾ مرکزی خیال:

ناول ،افسانہ،نظم یا مثنوی کی طرح ڈرامے میں بھی مرکزی خیال ہوتا ہے۔یہی مرکزی خیال ڈرامے کی تخلیق کا محرک ہوتا ہے۔ڈراما نگار جب کسی ڈرامے کی تخلیق کرتا ہے تو اس کا مقصد کسی فکر،خیال یا تصور کو پیش کرنا ہوتا ہے۔جس کے لئے وہ ڈرامے کو وسیلے کے طور پر اختیار کرتا ہے۔ڈراما نگار کا یہی مقصد مرکزی خیال کہلاتا ہے۔ڈرامے میں پیش کردہ مرکزی خیال کا معنی خیز،تعمیری اور واضح ہونا ضروری ہے۔مرکزی خیال کی اہمیت ہی ڈرامے کو دل کشی اور افادیت سے ہم کنار کرتی ہے۔ایک طرح سے مرکزی خیال کو ڈرامے میں روح کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

﴿۲﴾ پلاٹ:

ڈرامے کے اجزاے ترکیبی میں پلاٹ کی اہمیت مسلّم ہے۔پلاٹ سے مراد واقعات کی ترتیب ہے۔پلاٹ سے ڈرامے کا ڈھانچا تیار ہوتا ہے۔پلاٹ ہی ڈرامے کو آگے بڑھاتا ہے۔ڈراما نگار مرکزی خیال کے اظہار کے لئے واقعات کا تانا بانا تیار کرتا ہے اور انہیں ترتیب دیتا ہے کہ اس میں پڑھنے والے یا دیکھنے والے کی دل چسپی اور تجسّس قائم رہے۔اس لئے ڈرامے کے پلاٹ کے لئے لازمی ہے کہ اس میں ارتقا کی کیفیت موجود رہے اور ہر واقعہ ڈرامے کی اثر انگیزی میں اضافہ کرے اور اسے رفتہ رفتہ نقطۂ عروج کی طرف لے جائے۔غرض کہ پلاٹ میں آغاز،ارتقا اور انجام کا خیال رکھنا لازمی ہے۔

﴿۳﴾ کردار:

کردار کسی بھی ڈرامے کی جان ہوتے ہیں۔ڈرامے کے پلاٹ یا واقعات بغیر کرداروں کے تشکیل نہیں پا سکتے۔پلاٹ یا واقعات کرداروں کے سہارے ہی آگے بڑھتے اور ارتقا اور انجام کو پہنچتے ہیں۔اس لئے ضروری ہے کہ کرداروں کے اندر فطری پن ہو اور وہ واقعات کے عین موافق ہوں۔ان کے حرکات وسکنات حقیقی زندگی کے ترجمان ہوں۔وہ موقع ومحل کے مطابق حرکت کریں اور اپنے عمل وردِّعمل کا اظہار کریں۔اگر کردار حقیقی اور فطری ہوں گے تو ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھرا جا سکے گا۔کردار کا تعلق جس طبقے،پیشے اور سماجی جماعت سے ہو وہ اسی طرح کی زبان،اسی کے موافق لباس اور اسی کے مطابق شکل وصورت،چال ڈھال،حرکات وسکنات اور ذہنی وجذباتی کیفیات کی ترجمانی کرے۔اس کا کوئی بھی عمل ایسا نہ ہو جو اس کی حیثیت سے میل نہ کھاتا ہو۔

کسی بھی ڈرامے میں ہر کردار کی حیثیت و اہمیت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ان کی الگ الگ حیثیت و اہمیت ہوتی ہے۔بعض کردار مرکزی حیثیت رکھتے ہیں تو بعض ضمنی۔مرکزی کردار جنہیں ہیرو اور ہیروئن بھی کہا جاتا ہے وہ ڈرامے پر شروع سے آخر تک چھائے رہتے ہیں اور انہی کے اِردگرد پلاٹ اور واقعات کا تانا بانا تیار کیا جاتا ہے۔جب کہ ضمنی کردار موقع ومحل کے مطابق نمودار ہوتے ہیں اور اپنا کردار ادا کرنے کے بعد معدوم ہو جاتے ہیں لیکن ضمنی کرداروں کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے کیوں کہ وہ پلاٹ یا قصّے کو آگے بڑھانے اور اسے ارتقا و انجام کی جانب لے جانے میں معاون ہوتے ہیں۔

﴿۴﴾ مکالمہ:

مکالمہ ڈرامے کا ایک جزو ہوتا ہے۔ناول یا افسانے میں محض بیان سے کام چل سکتا ہے مگر ڈرامے کا تصوّر مکالمے کے بغیر ممکن نہیں۔مکالمے کے ذریعے ہی کرداروں کے جذبات و خیالات کا اظہار ہوتا ہے۔اس لئے مکالمے کا موزوں اور برمحل ہونا ضروری ہے۔مکالمے کا پُرکشش اور مؤثّر ہونا بھی لازمی ہے۔بھونڈے اور سپاٹ مکالمے ڈرامے کو بے جان اور پھیکا بنا دیتے ہیں۔اس لئے مکالمہ لکھتے وقت ڈراما نگار کو محتاط رہنا چاہیے۔زبان و بیان، الفاظ اور جملے کی طوالت وغیرہ ہر پہلو پر دھیان دینا چاہیے۔طویل مکالمے ناظرین اور قارئین کو اُکتا دیتے ہیں۔اس لیئے مکالمے کا چست، برجستہ اور متوازن ہونا لازمی ہے۔

مکالمے چوں کہ کرداروں کے ذریعے ادا کرائے جاتے ہیں اس لئے کرداروں کی حیثیت اور ان کی علمی و ذہنی سطح کو بھی دھیان میں رکھنا لازمی ہے تبھی مکالمے میں فطری پن پیدا ہوسکتا ہے۔مکالمے میں مشکل الفاظ یا اُلجھاؤ کے بجائے سلاست اور فصاحت کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ مناسب اور برمحل مکالمے پر ڈرامے کی کامیابی کا انحصار ہوتا ہے۔

﴿۵﴾ تصادم:

تصادم یا کش مکش ڈرامے کا ایک اہم جزو ہے۔ڈراما بغیر تصادم کے تکمیل نہیں پا سکتا۔تصادم کا مطلب ہے ٹکراؤ یا کش مکش۔یہ ٹکراؤ اور کش مکش کرداروں، دو ہستیوں اور قوّتوں کے درمیان بھی ہو سکتے ہیں اور دو فرد، دو جماعت کے درمیان بھی۔ یہ تصادم ایک فرد کے اندر موجود، دو یا دو سے زیادہ نظریات و اقدار کے درمیان بھی ہوسکتا ہے۔عموماً تصادم کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ایک خارجی اور دوسرا داخلی۔دو الگ الگ قوّتوں کے باہمی ٹکراؤ کو خارجی تصادم کہتے ہیں لیکن جب خود ایک فرد کے اندر موجود دو مختلف نظریات یا تصوّرات کے درمیان ٹکراؤ ہوتا ہے تو اسے داخلی تصادم کہتے ہیں۔تصادم یا کش مکش سے ڈرامے میں قارئین اور ناظرین کی دل چسپی بڑھتی ہے اور ان کا جذبۂ تجسّس اُبھرتا ہے، جو ایک کامیاب ڈرامے کے لئے ضروری ہے۔

﴿۶﴾ نقطۂ عروج اور انجام:

ڈرامے کے واقعات جب ارتقا کی منزل سے گزر کر آخری مرحلے تک پہنچتے ہیں اور گتھیاں سلجھنے لگتی ہیں تو اس مرحلے کو نقطۂ عروج یا انجام کہا جاتا ہے۔اس مقام پر پلاٹ کی تمام کڑیاں ایک نقطے پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ڈرامے کا یہ حصہ حاصلِ ڈراما یا نتیجہ ہوتا ہے کیوں کہ یہاں پہنچ کر ڈراما نگار اپنی فکر کو تکمیل کا جامہ پہناتا ہے۔دل چسپ اور حیرت خیز نقطۂ عروج اور انجام ڈرامے کو کامیابی سے ہم کنار کرتا ہے۔اس لئے نقطۂ عروج یا انجام کو بہت احتیاط کے ساتھ برتنا ہوتا ہے۔اس منزل پر ابہام یا اُلجھاؤ سے گریز لازمی ہے۔

مندرجہ بالا فنّی لوازم کے علاوہ اتحاد یا وحدت بھی ڈرامے کا لازمی حصّہ ہے۔

ارسطو نے ڈرامے کے لئے تین وحدتوں کو ضروری قرار دیا تھا۔

﴿۱﴾ وحدتِ زماں ﴿۲﴾ وحدتِ مکاں ﴿۳﴾ وحدتِ عمل

بعد میں ناقدین نے ایک اور وحدت کا اضافہ کیا یعنی ''وحدتِ تاثر''۔ وحدت زماں سے مراد یہ ہے کہ ڈرامے میں پیش کردہ واقعات ایک متعینہ وقت کے اندر تکمیل پا جائیں۔ وحدتِ عمل سے مراد یہ ہے کہ ڈرامے میں جو واقعات پیش کیے جائیں وہ باہم مربوط ہوں اور اصل واقعے پر مرکوز ہوں۔ وحدتِ تاثر سے مراد ڈرامے کا مجموعی تاثر ہے۔ لیکن ان وحدتوں کے سلسلے میں اختلاف پائے جاتے ہیں۔ اسٹیج کی سطح پر آنے والی تکنیکی تبدیلیوں کے سبب اب ان کی روایتی پیروی بہت ضروری تصوّر نہیں کی جاتی۔

12.06 ڈرامے کی اقسام

تاثرات کے اعتبار سے ڈرامے کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

﴿۱﴾ المیہ ﴿۲﴾ طربیہ

انسان کے اندر فطری طور پر خوشی اور غم کی کیفیت موجود ہوتی ہے۔ ڈراما بھی چوں کہ انسانی زندگی کی ترجمانی کرتا ہے اس میں بھی عموماً دیکھنے اور پڑھنے والے پر یہ تاثرات مرتّب ہوتے ہیں۔ جب کوئی ڈراما زندگی کے الم ناک پہلو کو اُجاگر کرتا ہے اور قارئین یا ناظرین پر حسرت والم اور ترحم کی کیفیت طاری کرتا ہے تو وہ المیہ ڈراما کہلاتا ہے لیکن جب کسی ڈرامے کو دیکھ کر یا پڑھ کر فرحت ومسرت کی کیفیت پیدا ہو اور راحت وسُرور کے جذبات اُبھریں تو اسے طربیہ ڈراما کہا جاتا ہے۔ ان دونوں قسم کے ڈراموں میں موضوع، طریقۂ اظہار، پیش کش اور کردار نگاری میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ جہاں ایک طرف المیہ ڈرامے کے لئے اعلیٰ معیار، سنجیدگی اور متانت لازمی ہے وہیں طربیہ ڈرامے المیہ ڈرامے کی ضد ہوتے ہیں۔

ڈرامے کی مندرجہ بالا دو قسموں کے علاوہ اس کی چند ضمنی قسمیں بھی ہیں۔ مثلاً میلوڈراما، فارس، اوپیرا اور براسک وغیرہ۔

12.07 نمائندہ ڈراما نگار اور اُن کے ڈرامے

﴿۱﴾ امانت لکھنوی (اِندر سبھا)

﴿۲﴾ آغا حشر کاشمیری (یہودی کی لڑکی)

﴿۳﴾ امتیاز علی تاج (اَنارکلی)

﴿۴﴾ حبیب تنویر (آگرہ بازار)

﴿۵﴾ محمد حسن (ضحاک)

اپنے مطالعے کی جانچ کیجیے:۔

﴿۵﴾ ڈرامے کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟

﴿۶﴾ ڈرامے کی اہم قسمیں کون کون سی ہیں؟

12.08 خلاصہ

ڈراما ایک قدیم ترین فن ہے۔ڈرامے میں کہانی کو عملی طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ڈرامے کی ابتدا یونان سے ہوئی۔ ہندوستان میں بھی زمانۂ قدیم سے ڈرامے کی روایت ملتی ہے۔سنسکرت زبان میں ڈرامے کی تاریخ تقریباً ڈھائی ہزار سال پرانی ہے۔

لیکن اُردو میں ڈرامے کی روایت کا آغاز انیسویں صدی کے وسط سے ہوتا ہے جب اودھ کے نواب واجد علی شاہ نے ۱۸۴۲ء میں رقص اور موسیقی کے میل سے ایک رہس ''رادھا کنہیا کا قصّہ'' تخلیق کیا اور اسے اپنے محل میں اسٹیج کرنے کا اہتمام کیا۔اسی ڈرامے کو اُردو کا پہلا اسٹیج ڈراما قرار دیا جاتا ہے لیکن عوامی سطح پر اسٹیج کیا جانے والا اردو کا پہلا ڈراما آغا حسن امانت کا ''اندر سبھا'' تھا جسے ۱۸۵۲ء میں لکھنؤ میں اسٹیج کیا گیا۔

اُنیسویں صدی کے نصفِ آخر میں بمبئی اُردو ڈرامے کا مرکز بن گیا۔ یہاں مختلف تجارتی کمپنیوں نے ڈرامے کی روایت کو کافی فروغ دیا۔ پارسی تھیٹر کمپنیوں کے زیرِ اثر انیسویں صدی کے آخری عشرے تک آتے آتے اُردو ڈراما نگاری نے بے پناہ مقبولیت حاصل کر لی۔ کیوں کہ مہدی حسن احسؔن، پنڈت نرائن پرشاد بیتابؔ اور آغا حشرؔ کاشمیری جیسے ڈراما نگاروں نے اُردو ڈرامے کو معراجِ کمال تک پہنچا دیا۔ بالخصوص آغا حشر کاشمیری نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں سے ڈراما نگاری کو نئے معیار و انداز عطا کیے۔ڈراما نگاری کے میدان میں ان کی لازوال خدمات کی بنا پر انہیں اُردو کا شیکسپیئر بھی کہا جاتا ہے۔انہوں نے بڑی تعداد میں ڈرامے لکھ کر اُردو ڈرامے کے دامن کو وسعت بخشی۔

لیکن آغا حشرؔ کاشمیری کے بعد اُردو ڈراما نگاری کی رفتار قدرے سست پڑ گئی۔اس کی سب سے بڑی وجہ فلمی کمپنیوں کی آمد اور فلموں کی بڑھتی مقبولیت تھی پھر بھی ڈرامے کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔البتہ اب اسٹیج ڈرامے کے بجائے ادبی ڈرامے زیادہ لکھے جانے لگے۔اس دَور میں لکھے جانے والے ڈراموں میں ''انارکلی'' کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ترقی پسند تحریک کے زمانے میں اِپٹا اور دیگر ڈراما گروپس کے قیام نے ایک بار پھر ڈرامے کی مقبولیت کو تقویت عطا کی اور بعض اہم ڈراما نگار اُبھر کر سامنے آئے۔جن میں عابد حسین، محمد مجیب، خواجہ احمد عباس، سجاد ظہیر اور عصمت چغتائی وغیرہ کے نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔

عابد حسین کے ڈرامے ''پردۂ غفلت'' اور محمد مجیب کے ڈرامے ''خانہ جنگی'' کو خاص طور سے مقبولیت حاصل ہوئی۔آزادی کے بعد کے ڈراما نگاروں میں حبیب تنویر، محمد حسن اور ابراہیم یوسف وغیرہ کے نام اسٹیج ڈرامے کے حوالے سے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ان ڈراما نگاروں نے فکر و فن دونوں سطحوں پر اُردو ڈرامے کو نئی بلندی عطا کی لیکن بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ فلموں کی بے پناہ مقبولیت نے جب تھیٹر کی مقبولیت کو شدّت سے متاثر کیا تو ادبی ڈرامے، یک بابی ڈرامے اور ریڈیائی ڈرامے زیادہ لکھے جانے لگے۔ایسے ڈراما نگاروں میں کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، اوپندر ناتھ اشک، خواجہ احمد عباس، راجندر سنگھ بیدی اور کرتار سنگھ دُگّل کے نام خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

12.09 فرہنگ

ایہام	: شک میں ڈالنا۔	گفتار	: بات چیت، بول چال۔
ترحم	: رحم کا حامل۔	مبادیات	: ابتدائی معلومات۔
گریز	: بچنا، کنارہ کرنا۔	متنوّع	: مختلف طرح کا۔

12.10 نمونہ امتحانی سوالات

الف: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۱۰۔۱۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : ڈرامے کی تعریف کیجیے۔

سوال نمبر۲ : ڈرامے سے متعلق ایک مضمون تحریر کیجیے۔

ب: درج ذیل سوالوں کے جوابات ۳۰۔۳۰ سطروں میں دیجیے:

سوال نمبر۱ : ڈرامے میں مکالمے کی اہمیت پر روشنی ڈالیے۔

سوال نمبر۲ : ڈرامے کے اجزاے ترکیبی کیا ہیں؟ سپردِ قرطاس کیجیے۔

12.11 حوالہ جاتی کتب

۱۔ اُردو ڈرامے کا ارتقا	از	عشرت رحمانی
۲۔ اُردو ڈرامے کی تنقید و تاریخ	از	عشرت رحمانی
۳۔ ڈراما نگاری کا فن	از	محمد اسلم قریشی

12.12 اپنے مطالعے کی جانچ: جوابات

﴿۱﴾ ڈراما یونانی زبان کا لفظ ہے۔

﴿۲﴾ اُردو کا پہلا ڈراما ''رادھا کنھیا کا قصّہ'' ہے

﴿۳﴾ ڈرامے کی ابتدا یونان سے ہوئی۔

﴿۴﴾ انیسویں صدی کے نصف آخر کے آس پاس اُردو میں ڈرامے کی روایت کا آغاز ہوا۔

﴿۵﴾ ڈرامے کے اجزاے ترکیبی حسب ذیل ہیں۔

۱۔مرکزی خیال ۲۔پلاٹ ۳۔کردار ۴۔مکالمہ ۵۔تصادم ۶۔نقطۂ عروج یا انجام

﴿۶﴾ ڈرامے کی دو اہم قسمیں ہیں۔

۱۔المیہ ۲۔طربیہ

اُتراکھنڈ اوپن یونی ورسٹی، ہلدوانی (نینی تال)

SCHOOL OF HUMANITIES

UTTARAKHAND OPEN UNIVERSITY

Teenpani Bypass Road, Behind Transport Nagar

Haldwani - 263 139, Nainital (Uttrakhand)

Phone: 05946-261122, 261123 Fax No.: 05946-264232

www.uou.ac.in email: info@uou.ac.in

Toll Free No: 1800 180 4025

BAUL(N)-120-1(003858)